ISSN:2410-535X

شعبہ علوم اسلامیہ وعربی کے طلبہ کا ترجمان

سہ ماہی

جستجو

گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی فیصل آباد

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی کے طلبہ کا ترجمان

سہ ماہی جستجو

ISSN:2410-535X

شمارہ: ۵ اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۵ء

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی

فیصل آباد، پاکستان

حسنِ ترتیب

حصہ اردو:

قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیق کے راہنما اصول

صفیہ بیگم ۰۷

============

خصائص نبوی اوران پر اہم کتب

محمد رمضان ۲۵

============

تشکیل کردار: امام غزالیؒ اور مغربی مفکرین کے افکارونظریات (تنقیدی وتقابلی مطالعہ)

حنا سجاد ۳۹

============

ملفوظاتی ادب میں مباحثِ توحید (مطالعہ وجائزہ)

ثریا بانو ٦٧

============

تبلیغی جماعت اوردعوت اسلامی (پس منظر اوراثرات)

محمد ندیم ۸۳

============

حصہ عربی:

مدح النبی الکریم ﷺ عند احمد شوقی

غلام عباس ندیم ۱۰۵

حصہ انگریزی:

THE STATUS OF THE HOLY QUR'AN

(In the Aspect of Established Scientific Discoveries)

Hafiz Ata-ul-Mustafa 03

قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیق کے راہنما اصول

صفیہ بیگم
ایم۔فل اسکالر (سیشن ۲۰۱۴ء۔۲۰۱۶ء)

ABSTRACT:

Quran and sunnah described the guidelines to investigate the news or incidents, and to search out the reality and truth. In the light of these guidelines, islamic scholars set the principles and steps of research. Rumors are always condemnable in Islam. Islam stressed to confirm news by evidence and original sources. Being a Muslim, we should obey these principles in our all important matters. These formulas must be precticise in every solvable issue.

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں تحقیق کرنے یعنی بات کو کھولنے، غور کرنے، سچائی تک پہنچنے، پرکھنے، جاننے اور سمجھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے تحقیق کی ضد کو جہالت کہا گیا ہے۔(۱) اس سے ظاہر ہے کہ جہالت سے بچنے کے لئے حقیقت کی تلاش فرض ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

"وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ"(۲)

"اور ہم نے لوگوں کے واسطے قرآن میں ہر طرح کے عمدہ قوانین بیان کیے ہیں۔"

قرآن کریم علوم کا سرچشمہ ہے اور ہر شعبہ علم میں دعوت تحقیق دیتا ہے۔احادیث مبارکہ قرآنی احکامات کی شرح ہیں۔احادیث مبارکہ کی روشنی میں تحقیق کے اصول متعین ہوتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال اور ذات مبارکہ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۔"(۳)

"اے لوگو! تمہارے یہ رسول (ﷺ) سچی بات (قرآن) لے کر تمہارے پروردگار کی طرف سے تشریف لائے ہیں۔سوتم یقین رکھو۔یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔"

رسول پاک ﷺ پر اللہ رب العزت کی طرف سے جو اسرار منکشف ہوئے وہ ایسے نہ تھے جو نا قابل فہم ہوں جن کی طرف عقل رہبری نہ کرتی ہو۔جن پر اندھا دھند ایمان لانے کے لیئے مجبور کیا گیا ہو۔یہی وجہ تھی کہ قرآن کریم نے بار بار غور وفکر، تفکّر، تدبر، مشاہدہ واستخراج، عقل اور فہم کے استعمال کی تاکید کی ہے۔

تحقیق کا مادہ حق ہے۔لغت میں اس لفظ کے درج ذیل معانی لکھے گئے ہیں:

العلم الصحیح، العدل، الصِدق، البیّن الواضح، التام الکامل

ان الفاظ پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ تحقیق کسی بھی سطح کی ہو اس میں مذکورہ خصوصیات موجود ہونی چاہئیں۔

قرآن پاک میں لفظ "الحق" کا اپنے مختلف اوزان کے ساتھ وارد ہونا تحقیق، یعنی حقیقت کو اجاگر کرنے کی اہمیت کا ثبوت ہے۔قرآن پاک میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ تحقیق کے رہنما اصول متعین کیئے ہیں:

" اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا (۴) اَوَ لَمْ يَسِيْرُوْا (۵) اَوَ لَمْ يَرَوْا (۶) قُلْ سِيْرُوْا (۷) فَانْظُرُوْا (۸) فَانْظُرْ (۹) كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰت (۱۰)

نبی ﷺ کی ذاتِ کاملہ اسوۂ کامل ہے کہ ہمیں کس طرح حقیقت کو تلاش کرنا چاہیے اور حقائق بیان کرنے میں لیت و لعل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ قرآن و حدیث مبارکہ کی روشنی میں تحقیق کے راہنما اصولوں کا جائزہ درج ذیل عنوانات کے تحت پیش کیا جا رہا ہے۔

تحمل مزاجی سے تلاش حقیقت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ" (۱۱)

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق بدکردار، غیر ذمہ دار شخص کوئی (اہم) خبر لے آئے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے علمی میں ضرر پہنچاؤ پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔"

آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی فاسق یعنی غیر معتبر آدمی کسی اہم بات کے متعلق آ کر بتائے تو فوراً اس بات پر یقین نہیں کر لینا چاہیے بلکہ قبولیت سے قبل تحمل مزاجی کے ساتھ اس کی بات کی اچھی طرح سے اُس وقت تک تحقیق کرتے رہنا چاہئیے جب تک اس کی صحت و صداقت معلوم نہ ہو جائے۔ گویا تحقیق کے ذریعہ تلاش حقیقت کو ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور نہ نقصانات سے ان کے وقوع سے قبل ہی بچا جا سکے۔

اصل ماخذ سے تحقیق ضروری ہے:

بعض اوقات ایک شخص بات سُن کر اگلے شخص کو بتا دیتا ہے وہ اپنے اگلے کو، اس طرح بات آگے سے آگے پھیل جاتی ہے۔ بہت سے لوگ ایک ہی بات کہنے لگتے ہیں وہ سب لوگ نہ تو فاسق ہوتے ہیں اور نہ ہی اُن کی نیّت میں فتور ہوتا ہے۔ تحقیق کے نقطہءنظر سے ایسے حالات میں اصل مأخذ سے رجوع ضروری ہوتا ہے، تاکہ خبر کی تصدیق کر کے افواہ کی تردید کی جا سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور میرے ہمسائے نے باری مقرر کر رکھی تھی کہ میری غیر حاضری میں وہ جو دربار رسالت ﷺ سے تعلیمات سُنے گا مجھ تک پہنچائے گا ایسے ہی میں (عمرؓ) بھی اُس کی غیر موجودگی میں کرونگا۔ ایک دن اس شخص نے آکر بتایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ یہ سُن کر بہت پریشان ہوئے۔ واضح رہے کہ آپؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ بھی حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ انہوں (عمرؓ) نے دربار رسالت مآب میں حاضری کی اجازت طلب کی جب اجازت ملی تو عمرؓ روایت کرتے ہیں:

"فسلمت علیه ثم قلت و انا قائم طلقت نساء ک فرفع بصره الیّ فقال لا۔" (۱۲)

"میں نے (عمرؓ) نے حضور اکرم ﷺ کو سلام کیا اور کھڑے ہی عرض کی، کیا آنحضور ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے میری طرف نگاہ کر کے فرمایا نہیں۔

اس تصدیق کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین پر اصل معاملہ واضح ہوا۔

صابرانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیق:

محقق کو سخت محنت کا عادی ہونا چاہیے۔ تحقیق کرنے والے میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی فیصلہ، پسند و ناپسند کو معطل رکھے۔ تا کہ مواد اور منطق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اسے احساس ہونا چاہیئے کہ اہم معلومات جلد بازی اور لاپرواہی کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ تحقیق بڑے صبر اور غیر جانبداری کی متقاضی ہوتی ہے تا کہ حقائق کو بعینہٖ پیش کیا جا سکے۔

تحقیق میں غیر جانبدار رہ کر ہی عدل و انصاف کے تقاضے پورے کئے جا سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ" (۱۳)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر سچائی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔"

عدل و انصاف کا حکم اور عصبیت کی ممانعت:

سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" (۱۴)

"کسی قوم کی دُشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو، یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے بھی عدل و انصاف کا حکم دیا اور تعصب و تنگ نظری کی ممانعت کی اور فرمایا کہ عصبیت کی مثال کنوئیں میں گرتے ہوئے اُونٹ کی ہے جس کی دُم پکڑ کر باقی لوگ بھی اونٹ والے کے ساتھ ہلاک ہو جائیں۔

پائیدار اور اصل تحقیق وہی ہوتی ہے جس میں بے لاگ اور مبنی بر انصاف حقائق پیش کیے جائیں۔

جرأت مندی کا مظاہرہ اور خواہش نفس سے گریز:

تحقیق کار کو اخلاقی جرأت مندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے حقائق صاف صاف بیان کرنے چاہئیں۔ چاہے بات اس کی اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ جاتی ہو وہ کسی کے خوف سے حق گوئی سے باز نہ رہے۔ جن افراد یا موضوعات پر لکھنے میں اس قسم کا خدشہ ہو اُن پر کام نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ عام طور سے اندیشہ، وسوسہ، خوف و ہراس محقق کی طبیعت کے شایان شان نہیں۔ (۱۵)

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوۡ عَلٰٓی اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا" (۱۶)

"اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین، رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ لہذا اپنی حواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔"

سُنی سنائی باتیں تحقیق میں حوالہ نہیں ہوسکتیں:

عمل تحقیق میں حقیقت کی تلاش فرض ہے۔ تحقیق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف زبانی یعنی سُنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا محض گمراہی ہے۔ یہی زبانی باتیں جو بعد میں تاریخ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ" (۱۷)

"خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

آیت مبارکہ کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ تحقیق کرنے والے کا قول وفعل وعمل باہم متضاد نہیں ہونا چاہیئے، زبانی جمع خرچ کرنا وار عمل سے کورے رہنا، اللہ تعالیٰ کو سخت نا گوار ہے۔ گویا زبانی باتیں بلا دلیل ہوتی ہیں وہ گمراہی بھی، باطل صریح بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سخت، ناپسند بھی اس لیے ہمارے اسلاف کرام نے جو کچھ سُنا پہلے اس کی پوری پوری تحقیق کی اور حدیث کے معاملے میں تو ایک حرف اور لفظ کی صحت کے لیئے سخت دشواریوں کو لبیک کہا۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان پاک ہے:

"وکفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔"(۱۸)

" آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ دلیل کافی ہے کہ جو کچھ سُنے روایت کر دے (یعنی تحقیق نہ کرے)۔"

قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی طرح یہ حدیث مبارکہ بھی روایت کے اصولِ تحقیق کا ماٰخذ ہے۔قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ دونوں میں سُنی سنائی باتوں کی اشاعت کی بجائے تحقیق کی ہدایت فرمائی ہے جس کے پیش نظر مسلمان ہر دور میں نئے حقائق دریافت کرنے اور عمل تدوین میں نہ صرف محتاط رہے بلکہ جو کچھ سُنا پہلے مکمل طور پر اس کی تحقیق کی۔

بیانِ حقائق میں دیانت داری:

محقق حقائق کی تلاش اور ان کے تجزیے کے بعد جو نتائج اخذ کرتا ہے، اُنھیں بلا کم وکاست، بغیر بیان آرائی اور تعصب کے بیان کر دینا ہی اس کا مقصد ہوتا ہے۔ الفاظ پوری احتیاط اور تعیّن معنی کے ساتھ استعمال کرنے چاہئیں۔ تحقیق "سچ کا کاروبار ہے۔" محقق کو تحریر میں، نیز روزانہ زندگی میں سچ کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ فریب، ریا، تصنُّع، خفیف الحرکاتیاں بالفاظ دیگر سرقہ کر لینا ایک غیر محققانہ کردار کا غماز ہے۔"(۱۹)

حضور اکرم ﷺ کا اسوہ شاہد ہے کہ رب العزت کا پیغام بالکل پہنچا دیا جیسا کہ وہ نازل ہوا، اور امت مسلمہ کو بھی اس بات کی تاکید کی۔ اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین احادیث کی نقل وروایت میں بے حد محتاط تھے۔

چنانچہ ابوعمرو شیبانی (م ۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ م ۳۲ھ کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا، وہ خوف کے مارے" قال" رسول اللہ کہہ کر حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ اگر کبھی قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر حدیث بیان کرنے لگتے تو اُن پر لرزہ طاری ہو جاتا۔

پھر کہتے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا، یا اس کی مثل فرمایا یا اس کے قریب قریب فرمایا۔(۲۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی یہ محتاط روش کسی عدم اعتماد اور سوئظن کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اس میں انتہائی احترام اور تقویٰ کارفرما تھا کہ سننے اور سمجھنے کی غلطی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی جانب کوئی غلط بات منسوب نہ ہوجائے۔ اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کے پیش نظر نقل و روایت یعنی تحمل کے اداء کے عمل میں آپ ﷺ کا یہ قول رہتا۔(۲۱)

"من کذب علی متعمدا اقلیتبو امقعدہ من النار" (۲۲)

"جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ تلاش کرے۔"

وہ مواد تحقیق کہلانے کا مقدار ہی نہیں ہے جس میں حقیقت کو بالکل ویسے بیان نہ کیا گیا ہو جیسے کہ وہ ہے۔حقائق کو جان بوجھ کر خلط ملط کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں ہے۔

حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا، آپس میں دلائل کو خلط ملط کر کے پیش کرنا اور کچھ الفاظ کو مٹا دینا یا بدل ڈالنا یا پھر اعراب کے فرق سے اور لہجوں کے فرق سے بات کو کچھ کا کچھ بنا دینا تحقیق کے منافی ہے۔قرآن مجید میں حق کو ناحق کے ساتھ مخلوط کرنے یا جانتے بوجھتے حق بات کو پوشیدہ کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ علوم آئندہ نسلوں کی امانت ہوتے ہیں اگر حقائق کو صحیح طور پر پیش نہ کیا جائے تو ہم علمی اور تحقیقی خیانت کے مرتکب ہونگے۔

قیاس کی محدود اہمیت:

تحقیق میں قیاس اور ذاتی رائے کی اہمیت محدود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" (۲۳)

"جس بارے میں تمہیں علم نہ ہو رائے زنی مت کرو۔"

قرآن کریم اس بارے میں بھی رہبری فرماتا ہے کہ صحت منداور معقول زاویہ نگاہ کیسے اختیار کیا جائے۔

الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (۲۴)

"وہ لوگ جو باتوں کو توجہ سے سُنا کرتے ہی ں اور ان کے اچھے پہلوؤں کو تسلیم کرتے ہیں وہ سیدھے اللہ کی طرف سے ہدایت کے راستے پر ہیں اور وہی عقلمند ہیں۔"

صحیح مسلم میں روایت ہے موسیٰ بن طلحہ اپنے والد (طلحہ رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ میں نبی اکرم ﷺ سکے ہمراہ کچھ لوگوں کے پاس س ے گزرا جو کھجوروں کے باغ میں کام کررہے تھے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ لوگ کیا کررہے ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ کھجوروں کی پیوند کاری کررہے ہیں اور نر کھجوروں کو مادہ کھجوروں میں ملا رہے ہیں تا کہ ان کی پیداوار زیادہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔ جب لوگوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے ایسا کرنا ترک کردیا۔ جب اس کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"

"ان کان ینفعھم ذلک فلیصنعوہ فاتنی اتعا ظننت ظنا فلا تؤاخذونی بالطن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیاءً فخذوا بہ لن اکذب علی اللہ عزوجل" (۲۵)

"اگراس عمل سے ان کو فائدہ ہوتا ہے تو انہیں یہ کرنا چاہیے میرا تو ایک ذاتی خیال تھا۔ تم میرے خیال کے پیچھے نہ جاؤ۔ البتہ جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم تمہارے سامنے بیان کروں تو تم اس پر عمل کرو، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جھوٹی بات ہرگز بیان نہیں کرونگا۔"

قربانی کے جانور کی عمر، چاند دیکھ کر ماہ بدلنے اور زندگی کے ان گنت معاملات میں محض قیاس یا ذاتی رائے سے معاملات درست نہیں ہو سکتے۔ ذاتی آراء لکھ لکھ کر صفحات بھر دینا تحقیق نہیں ہے۔

توہم پرستی سے اجتناب:

توہمات، اساطیر، خرافات، ما فوق الفطرت عناصر کے لیے تحقیق میں کوئی جگہ نہیں ہوتی، تصورات کے حلقے سے باہر نکل کر ہی ضعیف الاعتقادی سے پاک تحقیق ہو سکتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ"(۲۶)

"(اے محمد ﷺ) "ان لوگوں سے کہہ دو کے وہ اکناف عالم میں پھیل کر اس کا کھوج لگائیں کہ تخلیق عالم کی ابتداء کیسے ہوئی، یعنی آغاز آفرینش کی صورت کیا تھی؟"

اللہ پاک کی طرف سے اِس فرمائش کا مقصد یہ تھا کہ تلاش و جستجو سے جو حقائق منکشف ہونگے وہی ہمارا نظریہ حیات قرار پائیں گے وار ہمارے عمل کے رہبر و محافظ ہونگے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

"قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"(۲۷)

"ہدایت اور گمراہی بالکل واضح کر دیئے ہیں۔"

مسلمانوں میں جب ذوق تحقیق مفقود ہوا اور دُنیوی علوم میں پسماندگی سے علماء میں احساس کمتری پیدا ہونے لگا۔ اس احساس کمتری نے قناعت اور دنیا سے غیر وابستگی کے غلط تصور کو اس قدر اُبھارا کہ نادانستہ طور پر کئی غلط امور کی تعلیم دی جانے لگی وہی دُنیا جسے قرآن نے انسان کے لئیے مسخر قرار دیا تھا اور اس کی تسخیر کی تاکید کی تھی، مردار قرار دی گئی۔

اسرارِ قدرت پر غور وفکر اور رموز کائنات میں تدبر، شیطانی وساوس ٹھہرے اور ان علوم سے باز رکھنے کے لئے علماء کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ حالانکہ قدرت نے انسان کی فطرت میں جستجو کا شعلہ بھڑکایا اور تلاش کی لگن لگائی ہے۔

وہم پرستی کا شکار ہو کر تکوین عالم سے دہشت زدہ ہو کر ہاتھ جوڑ لینا تحقیق کے اصولوں کے منافی ہے۔

کشادہ دِلی اور متوازن رویّہ:

تحقیق میں علوم کا کشادہ دِلی اور بے تعصبی سے بے لاگ جائزہ لینا چاہیئے حقائق، علوم اور روایات بیان کرتے ہوئے محقق کا رویہ متوازن ہونا چاہیئے۔ اُس کو کسی نظریہ سے کوئی جذباتی لگاؤ یا تنفّر نہیں ہونا چاہیے وہ صرف تلاشِ حقیقت کا متقاضی ہو اور حقیقت کو ہر شکل میں خندہ پیشانی سے قبول کیا جائے اسی طرح سے پرانے نظریات متروک ہوتے ہیں اور نئے نظریات اُن کی جگہ لیتے ہیں یا پھر یہ نظریات اپنی اپنی ضرورت واہمیت کے اعتبار سے متوازی چلتے رہتے ہیں۔

تنگ نظری اور مبالغہ پسندی دونوں تحقیق کی راہ میں حارج ہوتی ہیں۔ تحقیق غیر جذباتی انداز میں ہونی چاہیئے حقائق جیسے ہوں ذاتی پسند و ناپسند شامل کئے بغیر کشادہ دلی سے انہیں ویسے ہی صفحہ قرطاس پر اتارا جائے۔

اسوہ رسول ﷺ قول و عمل اور معاملات میں کشادہ دلی کی اعلیٰ مثال ہے۔ رسول کریم ﷺ نے تمام معاملات اور اعمال و افعال میں توازن برقرار رکھا صحیح مسلم میں کتاب الطلاق کا مطالعہ کریں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ دنیا کی زیب و زینت اور آسائشوں کی بجائے میں اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور دارِ آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ تو یہ بھی عرض کیا، کہ اپنی ازواج کو یہ نہ بتایئے گا کہ میں نے آپ ﷺ کو اختیار کیا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے اُن سے کہا:

"ان اللہ ارسلنی مبلغا و لم یر سلنی متعنتاً" (۲۸)

"بے شک اللہ نے مجھے تبلیغ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ سختی کرنیوالا بنا کر نہیں بھیجا۔"

ثابت ہوتا ہے کہ جب توازن کا اُصول برقرار نہ رہ سکے تو معاملات بگڑ جاتے ہیں، ٹوٹ پھوٹ اور بدنظمی کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ معیاری تحقیق میں توازن اور نظم و اعتدال بے حد اہم ہیں۔

مکمل توجہ اور یکسوئی:

قرآن و حدیث میں پُرزور طریقے سے تاکید کی گئی ہے کہ وہ دلائل پر مکمل توجہ دیں اور علم حاصل کرنے اور تحقیق کے کام کو یکسوئی سے کریں بے دھیانی میں توجہ طلب نکات ہماری توجہ سے اوجھل ہو سکتے ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مکمل غور و حوض کے بغیر ہم عبارت کے صحیح مفہوم کو سمجھنے اور اخذ تشریح اور نتائج میں غلطی کر جائیں اور علمی و تحقیقی خیانت کے مرتکب ہو جائیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

" وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَ هُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ" (۲۹)

"اور زمین و آسمان میں دلائل کی کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے ان لوگوں کا واسطہ پڑتا ہے لیکن وہ اُدھر متوجہ ہوئے بغیر ہی گذر جاتے ہیں۔"

انفس و آفاق پر مکمل توجہ اور یکسوئی سے تحقیق کی اہمیت کو قرآن پاک یوں بیان کرتا ہے:

" اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا‌ ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَ لٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ" (۳۰)

"کیا لوگ زمین میں سیر و سیاحت نہیں کرتے تاکہ اُن کے دل (ذہن) سمجھنے کے قابل اور کان سُننے کے لائق ہو جائیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینے میں جو دل ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔یعنی فہم و تدبر سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں۔"

تلاش حقیقت میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی مکمل توجہ اور یکسوئی ایک محقق کے لیئے سب سے بڑی مثال ہے کئی کئی دن اکیلے غار حرا میں قیام کرتے اور عقل سلیم کے مطابق چیزوں کو پرکھتے، جانتے اور حق تعالیٰ کی حقیقت و کائنات کے نظام پر مکمل توجہ اور یکسوئی سے غور فرماتے۔

عصری تقاضوں کی رعایت:

تدوین قرآن حفاظت حدیث اور بنیادی علوم میں مسلمانوں نے تحقیق کے اعلیٰ اصولوں کو مدنظر رکھا، جو آج بھی تحقیق کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔عصری تقاضوں اور حالات و واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے تحقیق کی اعلیٰ مثال حفاظت حدیث ہے کہ اصل بات تک پہنچنے کے لیے مسلمانوں بہت محنت کی۔علامہ شبلی نعمانیؒ بیان کرتے ہیں:

"جہاں تک حفاظت حدیث کا تعلق ہے اس کے لیے دو طریقے اختیار کئے گئے۔ ایک حفظ دوسرا کتابت اس زمانے میں جب قرآن نازل ہو رہا تھا حضور اکرم ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا اُن دنوں یہ احتیاط ضروری تھی۔تاکہ قران کی آیات اور احادیث کی عبارت آپس میں خلط ملط نہ ہو۔صحابہؓ نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیا۔اس کا یہ فائدہ ہوا کہ قرآن اپنے آغاز سے اب تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔جب کچھ عرصے بعد اس احتیاط کی ضرورت نہ رہی تو صحابہ کرام رضی اللہ آپ ﷺ کے قول و ارشادات کو لکھ کر محفوظ کرنے لگے۔حفاظت حدیث کے سلسلے میں خلفاء اربعہ احادیث سے

استشہاد کرتے اور خود روایت کرتے تھے۔ البتہ احتیاط کا اہتمام کرتے تھے۔ اس کے بعد تابعین نے محتاط روش کے ساتھ علوم نبی ﷺ کی میراث کو آگے بڑھایا۔''(۳۱)

ماحول سے ہم آہنگی:

تحقیق کے موضوعات و میادین بے شک بدلتے رہتے ہیں لیکن بنیادی حقیقتیں ہمیشہ ازلی ابدی ہوا کرتی ہیں بقول سید محمد اسماعیل:

"زمانہ ہر لحظہ رو بہ تبدل ہے اس لیئے زمانہ کا مزاج اور اندازِ فکر بدلتا رہتا ہے۔ ہر نئی پود چونکہ اپنے نئے ماحول میں رنگین ہو کر پروان چڑھتی ہے اس لیے اپنا مخصوص اندازِ فکر اور انداز بیان رکھتی ہے۔"(۳۲)

قدیم متروک اور ماحول سے متضاد انداز بیان کے سمجھنے میں نئی نسل الجھن محسوس کرتی ہے اس لیے وہ اکثر اسے سمجھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے۔ لہذا بنیادی حقائق نئی پود کے انداز بیان اور ماحول سے ہم آہنگ اسلوب میں بیان کئے جانے چاہئیں تا کہ وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔

قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا، چونکہ یہ عرب کی اور محمد ﷺ کی زبان تھی اور آپ ﷺ نے بھی عرب کے اس معاشرے کے ماحول کے مطابق دعوت و تبلیغ اور سماجی و معاشرتی اصلاح کا عمل شروع کیا، مخاطب کرنے کے طریقے اور رسوم و رواج کے مطابق لوگوں سے رابطہ کیا اور اپنا پیغام دنیا کو پہنچا دیا۔

عِلم نافع کا ذریعہ:

اللہ تعالیٰ نے ضرر اور شر پھیلانے والا علم حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نفع بخش علم کو صدقہ جاریہ قرار دیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے مسلمانوں میں وہ علوم جو ظن و تخمین تو ہم پرستی، بے یقینی اور بے عملی پیدا کرتے ہیں مذموم سمجھے گئے ہیں مستقبل کی ظنی پیشن

گوئی کرنے والے علم مثلاً کہانت فال کو خود قرآن مجید نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ علوم جو یقین ایمان کو ضعف پہنچاتے ہوں یا زندگی کے بارے میں شک اور بے اعتقادی کو جنم دیتے ہوں۔ یا حیات میں ترقی کے تصور کو دھندلا کرتے ہوں وہ نافع نہیں ہو سکتے۔(۳۳)

کائنات کی ٹھوس، قطعی حقیقتیں تحقیق کی متقاضی ہیں۔ نافع، غیر نافع، محمود اور مذموم، علوم کی تحقیق کی تفہیم میں یہ بات قابل ذکر نظر آتی ہے کہ غیر نافع وہ علوم ہیں جن کی بنیاد انسانی تجربات، عقلی استخراج اور اجتہاد پر نہ رکھی گئی۔

ذہنی معیار سے مطابقت:

تحقیق اسی صورت میں کارآمد اور نفع بخش ہو سکتی ہے اگر وہ متعلقہ لوگوں کی ذہنی سطح اور معیار کے مطابق ہو، اگر تحقیق میں متروک الفاظ، دیگر زبانوں کے مبہم الفاظ شامل کر کے اس کو دقیق او پیچیدہ و مبہم بنا دیا جائے، عامیانہ دلائل دیئے جائیں، یا پھر قاری کے فہم کے لیئے مشکل پیچیدہ اصطلاحات استعمال کی جائیں تو اس سے خاطر خواہ فوائد وثمرات حاصل نہیں ہونگے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"نحن معشر الانبیاء نکلم الناس علی قدر عقولھم۔"(۳۴)

"ہم انبیاءؑ کا گروہ ہیں ہم لوگوں سے گفتگو اُن کی ذہنی سطح کے مطابق کیا کرتے ہیں۔"

غور وفکر میں جمود تحقیق کی موت:

جب مسلمانوں نے کائنات میں غور وفکر اور تدبر کی عادت ترک کر دی تو علوم جامد ہونے لگے۔ علماء نے یہ غضب کیا کہ بیشتر وؤں کے تفکر کو حرف آخر قرار دیا، مزید غور وفکر پر بدعت اور گمراہی کی مہر لگائی تو اخلاقی پستی نے آن گھیرا اور اسلامی معاشرہ نکبت وہی پستی کا شکار ہونے لگا۔

"غور وفکر پر بدعت اور گمراہی کی مہر لگا دینے سے نہ صرف دنیوی علوم کا سرچشمہ خشک ہو کر رہ گیا۔ بلکہ دینی علوم میں بھی جن کی اس وقت کے مکانی اور زمانی تقاضوں کے مطابق علماء وقت نے بہترین اور جدید ترین تعبیریں پیش کی تھیں، وہی تعبیریں قیامت تک کے لیئے مستقل اور لامتبدل قرار دے دی گئیں۔"(۳۵)

ان کا فوری نتیجہ تو جمود محض تھا لیکن اس کا دیرپا اثر تباہ کن نکلا دنیا کی دوسری قومیں جنہوں نے مسلمانوں سے ہی دنیوی علوم سیکھے تھے۔ اُن علوم میں تفکر وتدبر کر کے اصافہ کرتی چلی گئیں، لیکن مسلمان وہی لکیریں پیٹتے رہے۔ حقیقت خرافات میں کھو گئی۔

اگر آج ہماری ریسرچ محض چربہ سازی اور نقالی ہے۔ کوئی نئی ایجاد، دریافت، فارمولے، علوم یا ٹیکنالوجی متعارف کروانے کے قابل ہم نہیں رہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق تحقیق کی عادت کو اپنائیں گے تو کامیابی حاصل ہوگی۔

بدعات کو مسترد کرنا، رطب و یابس سے گریز، کسی بھی مضمون پر قلم اٹھانے سے پہلے اُس کے بارے میں واضح تصور کے ساتھ مکمل معلومات کا حصول، تکبر و گھمنڈ سے گریز، حصول معلومات کے لیئے سفر بھی قرآن وحدیث کے مطابق تحقیق کے راہنما اصول ہیں۔

دین اسلام نہ صرف تحقیق کی ضرورت واہمیت پر زور دیتا ہے بلکہ قرآن کریم میں بار بار تحقیق کے دعوت مختلف زاویوں اور عنوانات کے تحت دیگر تحقیق کے مختلف اصول بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

زمین وآسمان کی تخلیق مرحلہ وار بیان کر کے دعوت فکر دی گئی کہ تحقیق یکدم وجود میں نہیں آجاتی، مرحلہ وار ہر کام کو اپنے طریقے، وقت اور نہج پر انجام دیا جانا چاہیئے۔ نباتات و جمادادات کی صفحہ ہستی پر بہت خوبصورتی سے موجودگی، تحقیق میں تزئین وآرائش نیز نظم وربط کا اصول بیان کرتی ہے۔ حیوانات وحشرات کو انسان کے تابع کر کے مفید اور نفع بخش سوچ وفکر کی

دعوت دی۔ انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے خوبصورت مخلوق ہے۔ ابتدائے آفریش سے ہی تجسس، جانچ پرکھ اور اصلیت کی کھوج کا جذبہ اس کے اندر جاگزین کر دیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت نے انسانِ اوّل کو اشیاء کے نام سکھائے تو مزید جاننے کے لیے تجسس پیدا کر دیا۔ انسان کامل حضرت محمد ﷺ کو بھی پڑھنے کا حکم دیکر ساتھ ہی انسان کی ابتدائے تخلیق اور اپنی قدرت کی بزرگی کے بارے میں متجسس کر دیا۔

نبی کریم ﷺ نے تحقیق کرنے اور تحقیق شدہ معلومات کے ابلاغ اور نشر و اشاعت کے بہت فضیلت بیان کی ہے۔ نبی ﷺ کی زندگی (عبادت، معاملات، اخلاقیات) بذات خود دعوت تحقیق کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے۔

من عَرَفَ نفسہ فقدعرف رَبَّہ بیان کر کے تحقیقی مقصود کے نقلی و عقلی دلائل بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غیر مسلموں کی اسلام کے بارے میں میں بدگمانیوں کو دور کرنے، انسانیت کو راہ فلاح پر گامزن کرنے، ماضی حال، مستقبل میں ربط نیز پیشروؤں اور نسل نو کے علوم میں توازن و ہم آہنگی کا واحد ذریعہ اسلامی اصولوں کے مطابق جد و جہد تلاش و تحقیق ہی ہے۔

حوالہ جات

1۔ معجم لالفاظ القران الکریم،مصر:الھیئۃ المصر یہ العامہ،۱۳۹۰ھ،ج ا،ص ۲۸۹
2۔ الروم:۵۸ 3۔ النسا:۱۷۰ 4۔ الروم:۸
5۔ الروم:۹ 6۔ الروم:۳۷ 7۔ الروم:۴۲
8۔ الروم:۴۲ 9۔ الروم:۵۰ 10۔ الروم:۲۸ 11۔ الحجرات:۶
12۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،لاہور: مکتبہ مدنیہ،س،ن،ج:۱،کتاب المظالم،ص ۱۱۴/کتاب العلم،ص:۱۰۶
13۔ المائدہ:۱۰ 14۔ المائدہ:۱۰
15۔ گیان چند،ڈاکٹر،تحقیق کافن،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،ط:سوم ۲۰۰۳ء،ص:۴۲
16۔ النسا:۱۳۵ 17۔ الصّف:۳
18۔ مسلم بن حجاج القشیری،امام،الجامع الصحیح،لاہور:شبیر برادرز،۲۰۰۷ء،مقدمہ،ج ا،ص ۳۱
19۔ گیان چند،ڈاکٹر،تحقیق کافن،ص:۳۹
20۔ ذہبی،ابوعبداللہ شمس الدین،امام،تذکرۃ الحفاظ،حیدرآباد،دکن:۱۹۹۵ء ج ا،ص ۱۵
21۔ عباسی،عبدالحمید،ڈاکٹر،اصول تحقیق،اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۳ء
22۔ مسلم بن حجاج القشیری امام،الجامع الصحیح،ج:۱،ص:۳۰
23۔ بنی اسرائیل:۳۶ 24۔ الزمر:۱۸
25۔ مسلم بن حجاج القشیری،امام،الجامع الصحیح،کتاب الفضائل،رقم الحدیث،۲۰۰۳
26۔ العنکبوت:۲۰ 27۔ البقرۃ:۲۵۶
28۔ مسلم بن الحجاج القشیری،امام،الجامع الصحیح،کتاب الطلاق،رقم الحدیث:۲۵۹۰
29۔ یوسف:۱۰۵ 30۔ الحج:۴۶ 31۔ عباسی،عبدالحمید،ڈاکٹر،اصول تحقیق،ص ۲۲
32۔ محمد اسماعیل،سید،رسول ﷺ عربی اور عصر جدید،لاہور:احمد پبلی کیشنز،ط:سوم،ص ۱۹۶
33۔ منظور احمد،ڈاکٹر چند تعلیمی مسائل،مشمولہ،فکر ونظر سہ ماہی،اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، رمضان،ذیعقدہ،۱۴۲۷ھ،ج:۴۴،شمارہ:۲،ص:۱۲۳
34۔ خطیب بغدادی،احمد بن علی،الکفایۃ فی علم الروایہ،حیدرآباد: دائرہ معارف اسلامیہ،س ن،ص ۳۰۲
35۔ محمد اسماعیل سید،رسول عربی اور عصر جدید،لاہور:ص:۳۰

خصائص نبوی اور ان پر اہم کتب

محمد رمضان

پی ایچ۔ڈی اسکالر (سیشن ۲۰۱۳ء۔۲۰۱۶ء)

ABSTRACT:

The article describes the dictionary meanings of Khsais. Ultimately, at least, there are three dictionary meanings of Khasais: superiority, difference and uniqueness. After explaining the dictionary meanings, the figurative meanings has been discussed: Those excellences with which Allah has honoured none other than Muhammad ﷺ. The uniqueness with which Allah honoured the Ummah of Holy Prophet ﷺ is the part of the excellences of Holy Prophet ﷺ actually. The numbers and importance of these excellences has been discussed. In the end, the list of more than sixty books of excellences of Holy Prophet ﷺ has been written.

خصائص کی لغوی تعریف:

خصائص نبوی ﷺ کی اصطلاح میں پہلا لفظ خصائص ہے جو کہ ایک سے زائد مفردات کی جمع کے لیے آتا ہے۔ یہ ''خاصیۃ'' کی جمع ہے۔(۱) یہ ''خصیصۃ'' کی جمع ہے۔(۲) خصائص لفظ خصائصۃ کی جمع ہے۔(۳) یہ خصوصیۃ سے بھی جمع بنتا ہے۔(۴)

خصائص کے بارے مرتضی زبیدی نے لکھا:

"خصہ بالشی۔یخصہ و خصوصاً"(۵) کسی چیز سے خاص ہونا، کسی کا خاص ہونا۔

دوسرے مقام پر اس کی تفصیل میں زبیدی نے کہا:

"خصه دون غیره' میزه'۔ التفرد ببعض الشی ممالا تشارکه' منه الجملة"(٦)

"دوسروں پر کسی کو فضیلت ہونا، ممتاز ہونا، منفرد ہونا یا بعض چیزوں سے کہ دوسرے کل اس میں شامل نہ ہوں۔"

اسی طرح ابن منظور افریقی نے کہا:

"خصه بالشی یخصه خصاً و خصوصاً۔ افرده له دون غیره۔ و تخصص له اذا انفرد"(۷)

"کسی چیز سے خاص ہونا اور خصوصی ہونا، کسی چیز کے ذریعے دوسروں سے منفرد ہونا اور اس کا تخصص اس وقت ہوگا جب وہ منفرد ہوگا۔"

اس خصوصیت کے مترادفات میں سے ایک لفظ ''خاصیۃ'' بھی ہے۔ جس کے بارے میں زین الدین رازی نے لکھا:

''الخاصة ضد العامة''۔(۸) خاصہ عامہ کی ضد ہے۔

درج بالا کتبِ لغات کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ خصائص منفرد اور ممتاز حیثیت کا نام ہے اور یہ ان خصوصیت کا نام ہے جن میں حاملِ خصائص کے علاوہ کوئی اور شامل نہ ہو، وہ اس میں اکیلا ہو۔ المعجم الوسیط میں یوں بھی ہے:

"الخصیصة۔ الصفة التی تمیز الشی و تحدده (ج) خصائص"۔(۹)

"خصیصہ سے مراد وہ صفت ہے جو کہ شے کو ممیز کرے اور اس کی تحدید کرے اور اس کی جمع خصائص ہے۔"

خصائص کے لغوی معانی پر بحیثیت مجموعی غور کیا جائے تو کم از کم تین چیزیں سامنے آتی ہیں:

۱۔فضیلت ۲۔تمیز ۳۔تفرد یا انفرادیت

مطلب یہ ہے جس چیز یا انسان کے لیے اس کے خصائص کا لفظ بولا جائے گا تو درج بالا معانی میں سے کم از کم ایک معنی لازم ہوگا کہ اس کی دوسروں پر فضیلت ہے، وہ دوسرے انواع سے اکیلا اور ممیز ہوگا اور وہ دیگر تمام افراد سے منفرد اور انفرادیت کا حامل ہوگا۔

خصائص نبوی کا اصطلاحی مفہوم:

اگرچہ علماء نے مختلف الفاظ کے ساتھ اس کی تعریف کی ہے مگر تمام کے اقوال میں خصائص نبوی کا اصطلاحی مفہوم یکساں ہے۔ چنانچہ صالح بن عبداللہ بن حمید نے لکھا ہے:

"ھی مااختص اللہ نبیہ ﷺ و فضلہ بہ علی سائر الانبیاء و الرسل علیھم الصلاۃ و السلام و کذلک سائر البشر"۔(۱۰)

"جن امور کے ذریعے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو چن لیا اور تمام انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام پر، اور اسی طرح تمام انسانوں پر آپ کو فضیلت بخشی۔"

اس کا مطلب ہے کہ وہ خاص باتیں صرف آخری نبی ﷺ کی ذات کے لئے ہیں۔ کوئی دوسرا نبی یا رسول علیہ السلام اس میں شامل نہیں ہے۔

بنیادی طور پر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام بلند مقام کے حامل ہیں مگر رسالت کی خصوصیات میں سے حضور اکرم ﷺ کو وہ خصوصیات دی گئی ہیں جو باقی انبیاء کرام کو نہیں دی گئیں۔

صالح احمد شامی نے لکھا:

"ما کان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مختصا مثل کو نہ خاتم النبین، ونزول القرآن علیہ، و اختصا صہ لعدم التقیید بعدد الزوجات ،وما اختصت بہ ھذہ الامۃ من جعل الارض مسجدا و طھورا"(۱۱)

"جن امور سے نبی اکرم ﷺ کو چن لیا گیا۔ مثلاً آپ کا آخری نبی ہونا، آپ پر قرآن کا نزول، آپ کی ازواج میں (تعداد کی) عدم تقیید سے آپ کا اختصاص اور اس امت کے خصائص جیسا کہ پوری زمین کا سجدہ گاہ اور پاک ہونا۔"

عرفات بن حسن نے خصائص نبوی کی تعریف ان الفاظ میں کی:

''التی اختصه اللّٰہ سبحانه و تعالی لها فقد منحه خصائص عظیمة لا یلحقه بها احد و لما کان ایضا مقامه عظیماً عند اللّٰہ اختصه لهذه الخصائص لیست لا حدِِ''۔(۱۲)

"جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چن لیا اور اللہ نے آپ کو وہ عظیم خصائص عطا فرمائے کہ ان میں دوسرا کوئی آپ کے مقام کو نہ پہنچے اور اللہ کے ہاں آپ کا مقام بھی بہت عظیم ہے، ان خصائص سے آپ کو چن لیا وہ کسی اور کے لئے نہیں ہیں۔"

درج بالا تعریفات میں سے پہلی تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو خصائص نبوی میں نہ کوئی اور رسول علیہ السلام شامل ہے نہ کوئی غیر نبی، یعنی خصائص نبوی وہ فضیلتیں ہیں جن میں کوئی بھی دوسرا شامل نہیں۔

صالح احمد شامی کے بیان سے اس پہلو کی وضاحت ہوتی ہے کہ جو چیزیں آنحضور ﷺ کی امت کو ملی ہیں وہ کسی اور نبی اور رسول علیہ السلام کی امت کو نہیں ملیں اور یہ بھی دراصل آنحضور ﷺ کی بدولت ہے اور حقیقی طور پر آپ ہی کے خصائص میں سے ہے۔

بنیادی طور پر خصائص، فضائل کے قبیل سے ہیں مگر یہ وہ فضائل ہیں جو کہ صرف اور صرف آپ ﷺ کو ملے ہیں اور پھر اس میں کسی دور کی قید نہیں ہے بلکہ خصائص نبوی جن سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے وہ عطائے مطلق ہے، ان میں دنیا اور آخرت کی اگر تقسیم ہے تو محض اس لئے کہ ہر چیز کا ایک وقت مخصوص ہوتا ہے، جس کا انتظار کرنا ہوتا ہے۔مقصد یہ ہے کہ جو دنیاوی حیات مبارکہ میں حضور ﷺ کے خصائص ہیں وہ تو دنیا میں ظاہر ہو گئے۔جیسے خاتم النبین ہونا، نزول قرآن، آپ کی امت کا آخری امت ہونا، امام القبلتین ہونا وغیرہ۔جن خصائص کا تعلق یوم حشر

اور آخرت سے ہے وہ اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے۔ جیسے مقام محمود پر فائز ہونا، شفاعت کبریٰ وغیرہ۔ ابن ملقن کی غایۃ السول کی تحقیق وتخریج کرتے ہوئے عبداللہ بحر الدین عبداللہ نے مقدمہ میں لکھا:

"فتکون خصائص النبی ما فضل اللہ تعالی بھا نبیه علی سائر الانبیاء۔" (۱۳)

"پس خصائص نبوی وہ ہوں گے جن کے ذریعے اللہ اپنے نبی ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت بخشی ہے۔"

درج بالا تعریفات کے تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی وہ فضیلتیں جن کی بدولت آپ تمام انسانوں سے کیا، بلکہ تمام حضرات انبیاء ورسل سے افضل ہیں۔ چاہے ان کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے ہو اور پھر خلاصہ میں یہ بات بھی ہے کہ حضور ﷺ کی امت کا تفضّل اور امتیازات ودرجات جو کہ سابقہ امم کو نہ عطا کئے گئے وہ بھی دراصل حضور ﷺ کے ہی خصائص ہیں کیوں کہ وہ آپ کی امت کو آپ کی وجہ سے بخشے گئے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے امتیازی مقامات اور فضائل اور آپ کی امت کی امتیازی خصوصیات پر کافی کتب لکھی گئی ہیں ان کو من جملہ طور پر خصائص نبوی کی کتب کہا جاتا ہے۔

خصائص نبوی کی تعداد:

خصائص نبوی چونکہ از قبل فضائل ہیں اور فضائل مصطفیٰ کا شمار اور احصاء مشکل ہے۔ اس کی بنیادی طور پر وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

انا اعطینک الکوثر (۱۴) ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی۔

الکوثر کا معنیٰ بہت وسیع ہے اور اس کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے۔ جیسا کہ مفسر ابن کثیر نے لکھا:

"قال مجاهد: الکوثر هو الخیر الکثیر فی الدنیا و الآخرة"۔ (۱۵)

"مجاہد نے کہا: دنیا اور آخرت کی ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کوثر ہے۔"

خصائص کے نا قابل احصاء ہونے کے بارے میں یوں کہا ہے:

"خصائصه اکثر من ان تحصی، بل تزید عداً علی مجموع الحصی"(۱۶)

"آپ ﷺ کے خصائص شمار سے باہر ہیں بلکہ گنتی کے اعداد سے زیادہ ہیں۔"

بہر کیف خصائص مصطفی ﷺ کا شمار اور تعداد کا قول کرنا قطعیت کے ساتھ نہیں ہو سکتا ہے اگر کسی نے کیا بھی ہے تو وہ تخمیناً ہے۔ دکتور ملا خاطر نے لکھا:

"مایزید علی ثلاثمائة خصلة لا یشارکه فی واحدة منها احد منهم"۔ (۱۷)

"ایسے خصائص کہ جن میں کوئی ایک نبی علیہ السلام بھی کسی ایک بات میں شامل نہیں ہے وہ تین سو زائد ہیں۔"

مایزید سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خصائص شمار میں قطعیت کے ساتھ کسی کا بھی قول حتمی نہیں ہے۔

خصائص نبوی کی اہمیت وفوائد:

دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کی عملی تشریح حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ آپ ہی کی ذات کی اتباع کا حکم ہے اور آپ ہی ہمارے لئے نیک نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہِ اسوۃ حسنۃ۔ (۱۸)

تحقیق اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

بنیادی طور پر امت کو آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے۔ آپ ہی کی سیرت کے کچھ ایسے پہلو ہیں جو کہ صرف آنحضور ﷺ کی ذات کریمہ کے ساتھ خاص ہیں اور وہ آپ کے ساتھ ہونے کی بنیاد پر امت کیلئے اسوہ حسنہ کا درجہ نہیں رکھتے۔ اگرچہ اصل میں اسوہ حسنہ کی اتباع کا حکم ہے مگر خود کلام ربانی میں ایسی حقیقتوں کا واضح اعلان کر دیا گیا کہ یہ امور خالص آپ کی ذات کے لیے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

و امراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان ارادا لنبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المومنین۔ (۱۹)

"اور اگر مومن عورت خود کو آپ ﷺ کو ہبہ کردے اور اگر نبی ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہیں تو یہ (اذن) خالص صرف آپ کیلئے ہے ایمان والوں کے بغیر۔"

تو معلوم ہوا کہ آپ کا اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا عمومی حکم ہے جب کہ اس میں سے کچھ چیزیں صرف آپ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ جو امور آپ کے خصائص کہلاتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کے بعد خصائص نبوی کی معرفت کی اہمیت اور فوائد درج ذیل ہیں۔

(۱)۔خصائص جاننے سے ان امور کی غیر مشروعیت کا علم ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے ان ان امور کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔جیسا کی عرفات بن حسن نے کہا:

"لایشرع لاحدان یتاسی بہ و یقتدی بہ فی ھذہ الخصائص و الا لما کانت الخصائص خصائص"(۲۰)

" کسی کیلئے مشروع نہیں ہے کہ ان خصائص پر بطور اسوہ حسنہ عمل کرے اور ان کی پیروی کرے، مگر یہ جب خصائص ہیں تو خصائص ہی رہیں گے۔"

(۲)۔معرفت خصائص نبوی سے معرفت نبی ﷺ حاصل ہوتی ہے۔جیسا کہ صالح بن عبداللہ / عبدالرحمن بن محمد نے لکھا:

"۔۔۔مما یدل علی جلیل منزلتہ عند ربہ"۔(۲۱)

"اس سے آپ ﷺ کا رب کی بارگاہ میں عالی قدر ہونے پر رہنمائی ملتی ہے۔"

(۳)۔صالح بن عبداللہ / عبدالرحمن بن محمد نے لکھا:

"معرفۃ ذلک تجعل المسلم یزداد ایمانا مع ایمانہ"(۲۲)

"معرفت خصائص مسلمان کا آپ کی ذات پر ایمان بڑھاتی ہے۔"

کم از کم ان تین فوائد کے علاوہ اور بھی کئی جہات سے خصائص نبوی کی اہمیت ہے۔

خصائص نبوی پر لکھی گئی اہم کتب:

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں خصائص نبوی بکثرت موجود ہیں، مگر اس موضوع پر باقاعدہ کتب تالیف کی گئیں۔ بعض علماء نے خصائص نبوی کے نام پر باقاعدہ کتب لکھیں اور بعض نے اپنی کتب میں اس موضوع پر باقاعدہ کچھ ابواب قائم کئے۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ خصائص نبویہ کے عنوان سے انہوں نے خصائص نبوی کی تالیف وتدوین آغاز کیا، چنانچہ حسن بن عرفات کے بقول:

"قال العلماء ان اول من طرق هذا الباب هو الامام الشافعي۔رحمه الله۔في كتابه "الام" و في كتابه كذلك "احكام القرآن" فقد طرق الى جملة من الخصائص النبويه ثم تبعه بعد ذلك علماء الشافعية و لهذا اكثر من تكلم عن الخصائص هم الشافعية تبعا لامامهم محمد بن ادريس الشافعي رحمه الله"۔(۲۳)

علماء نے کہا کہ پہلے شخص جنہوں نے اس باب (خصائص) کی بنیاد ڈالی وہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "الام" اور اسی طرح اپنی کتاب "احکام القرآن" میں جملہ خصائص نبویہ کے بیان کا آغاز کیا پھر اس کے بعد علماء شافیعہ نے ان کی پیروی کی۔ لہٰذا خصائص نبویہ میں کلام کرنے والوں میں سے اکثر شوافع علماء ہیں جنہوں نے اپنے امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کی (اس سلسلہ) میں پیروی کی۔

تیسری صدی ہجری میں امام شافعی کے تلامذہ میں سے علامہ المزنی نے اپنی "المختصر" میں خصائص کا اہتمام کیا۔ چوتھی صدی ہجری میں ابوالعباس بن القاص شافعی نے خصائص لکھے۔(۲۴)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی شمائل میں خصائص نبویہ درج ہیں۔ کتاب کا پورا نام ''**الشمائل المحمدیہ والخصائص المصطفویہ**'' ہے۔ اس موضوع کی دیگر اہم کتب درج ذیل ہیں۔

1۔ نھایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مجد الدین ابو الخطاب عمر بن حسن دحیہ کلبی ۶۳۳ھ۔ مطبوعہ ہے(۲۵)

2۔ ذکر ما اعطی نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دون الانبیائ۔ ضیاء مقدسی ۲۳۳ھ(۲۶)

3۔ الدر الثمین فی خصائص الامین۔ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی المعروف ابن الجوزی ۵۹۷ھ

4۔ بدایۃ السول فی تفصیل الرسول۔ سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام السلمی ۶۲۰ھ

5۔ خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یوسف بن موسیٰ المسدی ۲۲۳ھ(۲۷)

6۔ خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ علاء الدین مغلطائی بن قلیج حنفی ۷۶۲ھ(۲۸)

7۔ ملاذ المسلمین فی بعض خصائص سید المرسلین۔ ابوالحجاج یوسف بن موسیٰ الجذامی ۷۶۲ھ

8۔ ارجوزۃ فی خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ابونصر تاج الدین سبکی ۷۷۱ھ

9۔ کشف الغمہ ببیان خصائص رسول اللہ والامۃ ۔ مصطفے بن اسماعیل

10۔ خصائص سید العالمین۔ یوسف بن محمد مسعود العبادی ۷۷۶ھ

11۔ غایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن ۸۱۵ھ(۲۹)

12۔ خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ عمر بن علی انصاری وادی آشی ۸۰۴ھ

13۔ تعالیق علی الخصائص النبویۃ۔ احمد بن محمد الھائم ۸۱۵ھ۔

14۔ الابریز الخالص عن الفضۃ فی ابراز خصائص المصطفی فی الروضۃ۔ عبدالرحمن بن عمر بلقینی ۸۲۴ھ

15۔ الاعلام خصائص النبی علیہ السلام۔ جلال الدین بن عمر بلقینی ۸۲۲ھ۔

16۔ الانوار فی معرفۃ خصائص المختار۔ احمد بن علی الحجر العسقلانی ۸۵۲ھ۔

17۔ اللفظ المکرم بخصائص النبی الاکرم۔ محمد بن محمد الخیصر ی ۸۹۲ھ/ ۸۹۴ھ

18۔ خصائص الرسول۔ امام کاملیۃ محمد بن محمد شامی۔ م ۸۹۴ھ

19۔ الخصائص الکبریٰ ۔ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی ۹۱۱ھ (۳۰)

20۔ اُنموذج اللبیب فی خصائص الحبیب۔ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی ۹۱۱ھ

21۔ اللفظ المکرم بخصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۹۳۱ھ۔ شہاب الدین احمد بن محمد عبدالسلام ۹۳۱ھ (۳۱)

22۔ مرشد المحتار الیٰ خصائص المختار۔ محمد بن طولون الصالحی ۹۵۳ھ (۳۲)

23۔ مختصر انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب۔ عبدالوہاب شعرانی م ۹۷۳ھ

24۔ فتح الرؤوف المجیب شرح انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب۔ محمد عبدالرؤوف بن تاج الدین المناوی ۱۰۳۱ھ

25۔ تہذیب الخصائص النبویۃ الکبریٰ (سیوطی)۔ شیخ عبداللہ تلیدی

26۔ شفاء الصدور فی اعلام النبوۃ الرسول۔ ابن سبع بستی

27۔ عنوان السادۃ فیما خص بہ نبینا ﷺ قبل الولادۃ۔ محمد احمد بن عقیلی المکی ۱۱۵۰ھ (۳۳)

28۔ الدر البھیۃ فی شرح الخصائص النبویۃ۔ محمد بن عمر نووی جاوی ۱۳۱۲ھ (۳۴)

29۔ خلاصۃ الصفا من خصائص المصطفے ﷺ۔ احمد بن محمد بن میمون۔

30۔ کشف الاسرار فی خصائص سید الابرار۔ ولی اللہ بن حبیب لکھنوی۔

31۔ الخصائص الکبیر للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محمد بن ابراہیم رحمانی حنفی اثری۔

32۔ المختصر من خصائص النبی ﷺ۔ سلیمان بن سبع

33۔ انوار النبوۃ فی الخصائص۔ ابوالوفاء کشمیری۔

34۔ خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔علی بن نایف الشحود (۳۵)

35۔ من معین الخصائص النبویۃ۔صالح احمد شامی (۳۶)

36۔کشف الغمۃ ببیان خصائص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والامۃ۔مصطفی بن اسماعیل (۳۷)

37۔ من خصائص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وشمائلہ۔شعبان محمد اسماعیل (۳۸)

38۔ الخصائص المحمدیہ والمعجزات النبوۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ۔محمد سالم محیسن (۳۹)

39۔ من خصائص ومناقب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔بدوی طہ علام (۴۰)

40۔ مقدمات النبوۃ واعداد الرسول ﷺ مع معجزاتہ وخصائصہ۔یحیی اسماعیل (۴۱)

41۔ اختصاصات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لماذا؟۔جبار محمد ہاشم الموسوی

42۔ خصائص المصطفی بین الغلو والجفا۔الصادق محمد ابراہیم (۴۲)

43۔ حقوق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی امتہ فی ضوء الکتاب والسنۃ۔محمد بن خلیفہ بن علی التیمی۔

44۔ خلاصۃ الکلام فی خصائص نبی الاسلام ﷺ۔علی حسن علی عبدالحمید

45۔ افضل مقول فی مناقب افضل رسول ﷺ۔عبداللہ الصدیق الغماری

جن کتب سیرت میں خصائص نبویہ کے ابواب ہیں:

1۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفے۔قاضی عیاض مالکی

2۔ کشف الغمۃ۔ عبدالوہاب شعرانی

3۔ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار۔محمد یوسف بن اسماعیل نبہانی

4۔ الفصول فی سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔حافظ عماد الدین ابن کثیر

5۔ امتاع الاسماع۔احمد بن علی المقریزی

6۔ شرف المصطفیٰ۔عبدالملک بن ابراہیم نیشاپوری الخرکوشی (م ۴۰۷)

7۔ سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ علامہ محمد بن یوسف شامی۔(۴۳)

8۔ موسوعۃ نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صالح بن عبداللہ / عبدالرحمن بن محمد (۴۴)

9۔ الفصول فی سیرۃ۔ اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۴ھ) (۴۵)

10۔ الفیۃ السیرۃ النبویۃ۔ زین الدین عبدالرحیم بن الحسن العراقی ۸۰۶ھ (۴۶)

11۔ بهجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل، فی تلخیص المعجزات والسیر والشمائل۔ یحییٰ بن ابی بکر محمد الحرضی ۸۹۳ھ

12۔ المواهب اللدنیۃ بالمنح المحمدیہ۔ احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی ۹۲۳ھ (۴۸)

13۔ تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس۔ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری ۹۶۶ھ (۴۹)

14۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف السیرۃ الحلبیہ۔ علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی ۱۰۴۴ھ (۵۰)

15۔ نور الابصار فی مناقب آل نبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ شیخ مومن بن حسین شبلنجی (۵۱)

16۔ حقوق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی امتہ فی ضوء الکتاب والسنۃ۔ محمد بن خلیفہ بن علی التمیمی

17۔ الانوار فی شمائل النبی المختار۔ محمد حسین بن مسعود بغوی

حوالہ جات و حواشی

۱۔ احمد مختار عبدالحمید، معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ، بیروت، عالم الکتب، طبع اول، ۱۴۲۹ھ، ۱/۶۵۲

۲۔ احمد زیارت، حامد عبدالقادر، محمد النجار، المعجم الوسیط، قاھرہ: مجمع اللغۃ العربیۃ، سن، ۱/۲۳۹

۳۔ ایضاً، ۱/۲۳۸ ۴۔ ایضاً

۵۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس، تحقیق: مصطفیٰ حجازی، کویت: مطبع حکومت کویت، ۱۹۷۷ء، ۱۷/۵۵۰ ۶۔ ایضاً، ۱۷/۵۵۱

۷۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، بیروت: دار صادر، طبع سوم، ۱۴۱۴ھ، ۱/۲۳۹

۸۔ رازی، محمد بن ابی بکر، زین الدین، مختار الصحاح، تحقیق: یوسف الشیخ محمد، بیروت: المکتبۃ العصریۃ، طبع پنجم، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، ۱/۹۱ ۹۔ احمد زیارت، المعجم الوسیط، ۱/۲۳۹

۱۰۔ صالح بن عبداللہ، عبدالرحمن بن محمد، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سعودیۃ: دار الوسیلۃ، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸، ۱/۴۴۸

۱۱۔ شامی، صالح احمد، من معین الخصائص النبویۃ، بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، صفحہ ۹

۱۲۔ عرفات بن حسن، تفریغ شرح الخصائص النبویۃ، سعودی عرب: میراث الانبیاء، سن، صفحہ ۵

۱۳۔ ابن الملقن، عمر بن علی، غایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تحقیق وتخریج: عبداللہ بحر الدین عبداللہ، بیروت: دار البشائر الاسلامیۃ، ۱۴۔ الکوثر: ۱

۱۵۔ ابن کثیر، عمر بن اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامۃ، بیروت: دار طیبۃ للنشر والتوزیع، طبع دوم، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، ۸/۵۰۱

۱۶۔ ابن دحیہ، عمر بن حسن، مجد الدین، نھایۃ السول فی خصائص الرسول، تحقیق: عبداللہ عبدالقادر شیخ محمد نور، قطر: ادارۃ الشؤون الاسلامیۃ، طبع اول، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء، صفحہ ۳۴

۱۷۔ ملا خاطر، خلیل بن ابراہیم، عظیم قدرہ ﷺ ورفعۃ مکانتہ عند ربہ عزوجل، سعودی عرب: دار القبلۃ، طبع گیارہ، ۱۴۲۹ھ، صفحہ ۳۲ ۱۸۔ الاحزاب: ۲۱ ۱۹۔ الاحزاب: ۵۱

۲۰۔ عرفات بن حسن، تفریغ شرح الخصائص النبویۃ، صفحہ ۵

۲۱۔ صالح بن عبداللہ، عبدالرحمن بن محمد، نضرۃ النعیم، صفحہ ۴۴۸ ۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ عرفات بن حسن، تفریغ شرح الخصائص النبویۃ، صفحہ ۲۴ ۲۴۔ ایضاً، ملخصاً

۲۵۔ قطر سے دار الکتب القطریہ نے ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ الشیخ نور محمد کی تحقیق سے ۱۹۹۵ء میں طبع کی ہے۔

۲۶۔ ناصر الدین البانی کی "فھرس مخطوطات الظاھریۃ" میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

۲۷۔حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۴۱ء، ۲۰۵/۱ ۲۸۔ایضاً

۲۹۔دار البشائر الاسلامیہ (بیروت) نے عبداللہ بحر الدین عبداللہ کی تحقیق وتخریج کے ساتھ طبع کی ہے۔

۳۰۔عرب وعجم سے کئی دفعہ طبع ہو چکی ہے اور ایک سے زائد اس کے اردو تراجم بھی کئے گئے ہیں۔

۳۱۔حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ۱۵۶۰۲/۱

۳۲۔احمد فرید کی تحقیق سے دار الکتب العلمیۃ (بیروت) سے طبع ہوئی۔

۳۳۔عمر کحالہ نے ''معجم المولفین'' میں اس کا ذکر کیا۔ ۳۴۔مصر سے طبع ہوئی۔

۳۵۔دار المعمور سے ۲۰۰۹ء میں طبع ہوئی۔

۳۶۔المکتب الاسلامی (بیروت) سے پہلی بار ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی۔

۳۷۔مکتبہ ابن تیمیہ (قاہرہ) سے شائع ہوئی۔ ۳۸۔دار المریخ (ریاض) سے ۱۹۸۰ء میں طبع ہوئی۔

۳۹۔دار محسین (قاہرہ) سے ۲۰۰۲ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔

۴۰۔مطبعۃ الکیلانی سے طبع ہوئی البتہ اس پر سن طباعت اور مقام طباعت نہیں لکھا ہوا ملا۔

۴۱۔دار الوفاء (مصر) سے ۱۴۰۵ھ میں شائع ہوئی۔

۴۲۔یہ ایم اے کا مقالہ جو کہ دار الرشد (ریاض) سے ۱۴۲۱ھ میں بار اول طبع ہوا۔

۴۳۔دسویں جلد میں آٹھ ابواب خصائص نبوی پر مشتمل ہیں۔

۴۴۔دار الوسیلۃ (سعودی عرب) سے ۱۹۹۸ء میں چھپا۔کئی جلدوں پر مشتمل کتاب کی جلد اول میں خصائص نبوی کا ذکر ہے۔

۴۵۔اس کتاب کی ابتدا میں ایک پوری فصل خصائص کے موضوع پر ہے اور اس فصل کی دو قسمیں ہیں پہلی میں حضور ﷺ کے خصائص جو انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں ہیں، ان کا ذکر ہے اور دوسری قسم میں امت کے مقابلے میں خصائص نبوی ﷺ کا ذکر ہے۔

۴۶۔یہ ساری کتاب منظوم ہے اس میں ایک مقام پر ذکر خصائصہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے منظوم خصائص نبوی ہیں۔

۴۷۔جلد اول کے تیسرے باب میں دو انواع پر مشتمل خصائص نبوی کا تذکرہ ہے۔

۴۸۔اس کی تیسری جلد میں خصائص نبویہ کا طویل تذکرہ موجود ہے۔

۴۹۔جلد اول میں خصائص نبوی مدون ہیں۔ ۵۰۔ جلد سوم میں خصائص کا بیان ہے۔

۵۱۔جلد اول میں آٹھ انواع پر مشتمل خصائص نبوی کا طویل تذکرہ موجود ہے۔

تشکیل کردار: امام غزالیؒ اور مغربی مفکرین کے افکار و نظریات (تنقیدی و تقابلی مطالعہ)

حنا سجاد
پی ایچ۔ڈی اسکالر (سیشن ۲۰۱۴ء۔۲۰۱۷ء)

ABSTRACT:

Western science is intensively working on the theory of human nature, behaviorism, and moral conducts. In this prospect the Quran is the first work on human nature and behaviorism. Muslim philosophers had given their theories on re-building of character and behaviorism long before modern western scientist and Psychologists. Imam Ghazali "A Muslim Philosopher" presented his work on human nature and rebuilding of charcter. His work is considered the most significant work on human psychology, nature and rebuilding of character. Imam Ghazali gave the complete mechanism about how human nature works and character is built. His work also provides the complete directions to build and rebuild a strong character that helps to prosperous society, while western research on behaviorism and character formation has only brought out the mechanism and basics of human nature.

انسانیت اور اسلام کے اوپر جتنی تحقیق انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے ماہرین نفسیات اور مذہبی پیشواؤں نے کی ہے۔ یہ تمام تحقیق اس سے پہلے اسلام، مسلم مفکرین اور ماہرین نفسیات پیش کر چکے تھے۔ مسلم مفکرین، ماہرین نفسیات اور مذہبی پیشواوں میں امام غزالیؒ کی تحقیق

جوانہوں نے انسان کی نفسیات، کرداراور معاشرے کی اصلاح کے لئے کی ہے آج بھی انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی کے ماہرین نفسیات انہی نکات کو بیان کرتے ہیں۔ گویا جو باتیں اسلام نے بہت پہلے بتادی تھیں آج کے ماہرین نفسیات انہی نکات کو سائنس کے اصولوں پر ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ گو کے آج بھی بعض مغربی ماہرینِ نفسیات، سائنس دان اور تجزیہ کاروں نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور ایک خدا کہ آگے سجدہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن وہ کسی بھی طرح اسلام کی تعلیمات، قرآن کی سچائی، پیغمبر محمد ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں اور امام غزالیؒ کی تحقیق سے انکار نہیں کرسکے ہیں۔ کیونکہ آج ان کی نفسیات عقیدہ، دین اور یقین جیسے نظریات پر آ کر رک گئی ہے۔ امام اسلام امام غزالیؒ نے گیارہویں صدی میں جونظریات انسانیت کے لئے ، انسان کی خود سے پہچان کے لئے تشکیل کردار اور معاشرے کے لئے پیش کیے ہیں۔ آج کے غیر مسلم مغربی مفکرین آج وہی نظریات اور زندگی گزارنے کے اصول پیش کررہے ہیں۔ لیکن امام غزالیؒ نے جو مجموعہ تعلیمات دیا ہے۔ وہ مغربی ماہرینِ نفسیات بھی نہیں دے سکیں ہیں۔

حضرت سیدنا امام غزالیؒ کی کنیت ابو حامد، لقب حجۃ الاسلام اور نامِ نامی اسم گرامی محمد بن محمد بن محمد بن احمد طوسی غزالی شافعیؒ ہے۔ آپؒ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ئ) میں خراسان کے ضلع طوس کے علاقے طابران میں پیدا ہوئے۔ (۱) امام صاحب کی عمر ابھی ۲۸ سال کی ہوئی تھی کہ تمام علوم وفنون متداولہ یعنی ادبیات فارسی وعربی، فقہ وحدیث تفسیر درایت، کلام اور جدول وغیرہ میں کمال کی منزل کو پہنچ گئے اور ان علوم میں اتنا حقیقی تبحر آپؒ کو حاصل ہو گیا کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے شیخ الجامعہ کے عہدے پر فائز ہوئے، چارسال بغداد میں تدریس وتصنیف میں مشغول رہنے کے بعد ۱۰ سال خلوت نشینی اختیار کی اسی دوران احیاء العلوم ، جواہر القرآن، تفسیر یاقوت التاویل اور مشکاۃ الانوار وغیرہ مشہور کتب تصنیف فرمائیں۔ پھر حجاز، بغداد اور نیشا پور کے درمیان سفر

جاری رہا اور بالآخر اپنے آبائی شہر طوس میں واپس آ گئے اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔اور تادم آخر وعظ و نصیحت، عبادت و ریاضت اور تصوف کی تدریس میں مشغول رہے۔بالآخر بروز پیر ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ (۱۱۱۱ء) میں بمقام طابران (طوس) میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے (۲)

حضرت سیدنا امام غزالیؒ کے علمی کمالات کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ کے استاد محترم امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ جوینیؒ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔''غزالی،علم کے بحر ذخار (موجیں مارتا سمندر) ہیں'' (۳)

انسانی شخصیت کو نہایت باریکی کے ساتھ اور صحیح طور پر سمجھنے کے لیے شخصیت کی تحدید کرنے والے مختلف عوامل کا باریک مطالعہ ضروری ہے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک قرآن کریم میں درست شخصیت اور نادرست شخصیت دونوں کا وصف بیان ہوا ہے۔نیز وہ عوامل بھی بتائے گے ہیں جو شخصیت کے اندر درستگی و نادرستگی پیدا کرتے ہیں،جدید علماء و نفسیات دان جب ان عوامل کا مطالعہ کرتے ہیں تو عموماً وہ حیاتیاتی،سماجی اور ثقافتی عوامل پر غور کرتے ہیں۔حیاتیاتی عوامل کے مطالعے میں موروثی اثر،جسمانی ساخت اور نظام و اعصاب وغدود کی نوعیت کو موضوع تحقیق بناتے ہیں۔سماجی اسباب کا مطالعہ کرتے ہوئے عموماً بچپن کے تجربات خصوصاً خاندان کے اندر اور والدین کے طرز سلوک پر غور کرتے ہیں اسی طرح جزوی ثقافت،سماجی طبقات،مختلف سماجی اداروں اور رفقاء و احباب کی جانب سے شخصیت پر مرتب ہونے والے اثرات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

شخصیت کی تحدید کرنے والے عوامل کو ہم دو بنیادی قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک موروثی عوامل جو خود فرد کی ساخت سے نکلتے ہیں دوسرے ماحولیاتی عوامل جو خارج کے سماجی وثقافتی ماحول سے وجود میں آتے ہیں فرد کی ساخت سے وجود میں آنے والے عوامل کا مطالعہ جب

جدید ماہرین نفسیات کرتے ہیں تو ان کی توجہ صرف جسمانی حیاتیاتی عوامل کے مطالعہ تک محدود ہوتی ہے انسان کے روحانی پہلو سے وہ غافل ہوتے ہیں یا اسے فراموش کیے ہوتے ہیں اور یہی طریقہ سائنسی تجربہ گاہوں میں بحث وتحقیق کا موضوع بننے والی چیزوں کے مطالعے تک محدودیت کے ان علمی اسلوب ومنہج سے ہم آہنگ بھی ہے۔اس لیے انسان کے روحانی پہلو اور شخصیت پر اس کی اثر آفرینی کا مطالعہ جدید ماہرین نفسیات کے یہاں نہیں ملتا ہے۔

قرآن کریم رہنمائی کرتا ہے کہ کس طرح اللہ نے مادہ اور روح سے انسان کی تخلیق فرمائی۔تکوین کے متعدد مراحل ''سوکھی مٹی'' ہے۔گیلی مٹی سے پھر اسے کھنکھناتی ہوئی مٹی پھر اسے ٹھوس پکی ہوئی حالت سے گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسکے اندر اپنی روح پھونکی اور حضرت آدمؑ کی تخلیق عملی میں آ گئی۔ مادہ اور روح کے عناصر کے امتزاج سے انسانی کردار کی تشکیل ہوتی ہے انسانی شخصیت کو پوری باریکی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مادہ اور روح کے عناصر کے امتزاج سے تشکیل پانے والے مکمل انسانی وجود پر ہماری نظر ہو۔

ہم جس کائنات میں رہتے ہیں اسکی خاصیت اور ماہیت کیا ہے، کیا اسکی بناوٹ میں کوئی مستقل عنصر موجود ہے؟ اس سے ہمارا تعلق کس طرح کا ہے؟ کائنات میں ہمارا مقام کیا ہے؟ ہم کس قسم کا رویہ اختیار کریں کہ جو کائنات میں ہمارے مقام سے مناسبت رکھتا ہو؟ کائنات کی اس نوعیت کے پیش نظر جس نے انسان کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، خود انسان کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ متوازن اہلیتیں رکھنے کے باوجود بھی وہ زندگی کے درجات میں خود کو کمتر پاتا ہے اسے ہر طرف سے رکاوٹ کا سامنا ہے۔اس میں شک نہیں کہ انسان کی زندگی ایک نقطہ آغاز رکھتی ہے مگر یہ بھی انسان کا حق ہے کہ ہستی کی تشکیل کا ایک حصہ بن جائے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک تشکیل کردار میں انسانی کردار عمر کے ساتھ ساتھ نشونما پاتا ہے۔ بچے کا دل آئینے کی طرح صاف ہوتا ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ماحول، حالات اور

بنیادی جبلتوں سے متاثر ہوکر زندگی کی کوئی راہ اختیار کرتا ہے جسے کردار کہا جاتا ہے اور اسکا مظاہرہ اخلاق ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس کا بنیادی موضوع ''انسان'' ہے۔ اسلام نے انسانی کردار کو سنوارنے اور معیاری بنانے میں بہترین رہنمائی کی ہے۔ کامل ذات پیغمبر انسانیت حضرت محمد ﷺ کو بطور نمونہ پیش کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم" (۴)

''بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل وشکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔''

تاریخ کے مختلف ادوار میں مفکرین اور موجودہ دور کے ماہرین نفسیات نے لوگوں کی شخصیتوں کے مابین مشابہت اور فرق کی جہتیں متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور لوگوں کو شخصیت کے متعدد خانوں میں بانٹنے کی کئی کوششیں انجام دی گئی ہیں۔ کچھ لوگوں نے جسمانی ساخت کی خصوصیت کی بنیاد پر خانہ بندی کی ہے اور کچھ لوگوں نے نفسیاتی علامتوں کے اندر مشابہت و یکسانیت کی بنیاد پر نفسیاتی خانوں میں تقسیم بندی کی ہے۔

قرآن کریم میں عقیدہ کی بنیاد پر لوگوں کی تین قسمیں مذکور ہیں، مومنین، کفار اور منافقین، ہر قسم کی اپنی مخصوص صفات اور علامتیں ہیں جو دیگر دو قسموں سے اسے ممتاز کرتی ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں جس طرح کیمیا، ہر بڑھیا کی جھونپڑی میں نہیں ملتا بلکہ بڑے لوگوں اور بادشاہوں کے خزانوں میں ملتا ہے۔ اسی طرح کیمیائے سعادت بھی ہر جگہ نصیب نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا خزانہ آسمان میں فرشتوں کی ذات ہے تو زمین میں انبیاء علیہم السلام، جو شخص بارگاہ نبوت کے سوا کہیں اور اس کیمیا کو تلاش کرے گا وہ راہ سے بہک جائے گا اور خیال خام کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

ارحم الراحمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت یہ ہے کہ اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ علیہم دنیا میں بھیجے تا کہ اس کیمیا کا نسخہ اللہ کی مخلوق کو سکھائیں (۵)

امام غزالیؒ کے نزدیک انسانی شخصیت وکردار کیسے بنتی اور وجود میں آتی ہے اور کیسے اس میں حسن وقبح کے رنگ آتے ہیں اور یہ کہ متوازن شخصیت کیا ہوتی ہے۔

اس حوالے سے امام غزالیؒ احوال النفس (یا وقائع نفسیہ) کو تین انواع میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔الحیاۃ العقلیہ ۲۔النشاط الحرکی ۳۔الحیاۃ الوجدانیہ

ان کے لیے امام غزالیؒ کی اصطلاحات یہ ہیں۔

۱۔ الحیاۃ النزوعیہ یعنی نشاط حرکی (جبلتیں اور محرکات)

۲۔ الحیاۃ الوجدانیہ یعنی نشاط وجدانی (جذبات ومیلانات)

۳۔ الحیاۃ الادراکیہ یعنی نشاط عقلی (عقل ادراک)

نفسیاتی اصطلاح میں انہیں قوت متحرک اور مدرکہ کہا جاسکتا ہے۔ان تینوں فعلیتوں یا نشاطات کے نتیجے میں انسانی افعال وجود میں آتے ہیں۔ان افعال کی تکرار سے عادتیں بنتیں ہیں اور عادات کے نتیجے میں شخصیت کوئی صورت اختیار کرتی ہے۔

نشاط حرکی میں جو چیز اہم ہے وہ محرکات ومیلانات ہیں۔محرکات کی اصل جبلتیں ہیں جن میں سرفہرست کھانے اور جنس کی جبلت ہے (امام غزالیؒ ان دونوں جبلتوں کو اپنے عہد کی اصطلاح کے مطابق قوۃ شہوہ یا شہویہ کہتے ہیں) میلانات میں اہم غلبہ ملکیت اور مل کر رہنے کے میلانات ہیں۔محرکات کی اہمیت یہ ہے کہ زندگی کی ساری رنگینی بلکہ بقاء کا انحصار محرکات پر ہے اور ان کی عدم موجودگی میں زندگی کا استمرار ممکن ہی نہیں ہے۔(۶)

آج کل محرکات اساسی اور ثانوی یا فطری اور مکتسب ہونے کے حوالے سے زیر بحث نظر آتے ہیں۔اساسی اور فطری محرکات وہ ہیں جنہیں انسان فطری اور موروثی طور پر اپنی پیدائش کے وقت سے لیکر پیدا ہوتا ہے۔جس سے اصلاً غرض فرد اور اسکی نوع کی بقاء ہے۔ثانوی

یا مکتسب محرکات وہ ہیں جو انسان اس دنیا میں آ کر علم، تجربے اور تربیت سے سیکھتا ہے۔ گو ان کی فطری اساس بھی موجود ہوتی ہے۔

اس تقسیم کی بجائے امام غزالیؒ کے نزدیک محرکات کی مختلف اقسام ہیں۔

انسانی طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے آپؒ انہیں بہیمیہ سبعیہ، شیطانیہ اور ربانیہ میں تقسیم کرتے ہیں۔

بہیمیہ: بہیمیہ سے مراد جانوروں جیسے میلانات جیسے معدے اور جنس کی بھوک مٹانا۔ اس سے جو استعدادت اور اخلاقی عادات بنتی ہیں ان میں بے حیائی، خباثت، فضول خرچی، بخل، فحش گوئی، حرص و لالچ اور خوشامد وغیرہ

سبعیہ: سبعیہ سے مراد درندوں جیسے میلانات ہیں جیسے بغض وعدوات۔ اس سے غصہ غلبہ اور استحصال جیسی عادتیں بنتی ہیں۔

شیطانیہ: شیطانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں جو بہیمیہ اور سبعیہ کے یکجاء ہونے سے بنیں جن سے حیلہ، مکر، فریب اور دغابازی جیسے اخلاق پروان چڑھتے ہیں۔

ربانیہ: ربانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں جن کے مطابق انسان اپنے اندر الوہی صفات کا طلب گار بنے جیسے کبر، فخر، مدح پسندی، حب جاہ اور حب بقاء دوام اور اُس کے ساتھ ہی حب علم وحکمت اور یقین (۷)

امام غزالیؒ کے نزدیک انسانی محرکات کی ایک تقسیم اسکی بقاء کے حوالے سے ہے۔ جسکی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ میلانات فردیہ: جن پر انسانی بقاء کا انحصار ہے یعنی طعام اور جنس اور اس سے متفرع ہونے والے دوسرے میلانات جیسے حب دنیا، حب جاہ، اور حب ملکیت۔

۲۔ میلانات اجتماعیہ: میلانات اجتماعیہ جیسے خاندان، قبیلہ اور معاشرہ میں مل جل کر رہنا۔

۳۔میلانات عالیہ: میلانات عالیہ جن میں حب خیر، علم جمالیات، دینی حقائق وغیرہ شامل ہیں جو زندگی میں حسن اور کمال کا لوازمہ ہیں۔(۸)

محرکات کی ایک تقسیم امام غزالیؒ نے ان کے اہداف ومقام کے لحاظ سے کی ہے اور محرکات کو دو قسموں میں شمار کیا ہے ایک وہ جو باعث امور دینیہ ہیں اور دوسرے وہ جو سبب ھویٰ ہیں۔ اس تقسیم کا باعث امام غزالیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ انسانی سرشت میں بیک وقت دو رجحانات موجود ہوتے ہیں ایک وہ جو حیوانی ہوتے ہیں اور ان پر عمل انسان کو حیوانیت کے قریب لے جاتا ہے اور دوسرے وہ جو ملکی ہوتے ہیں اور جن پر عمل انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتا ہے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک اول الذکر میلانات انسان کو حیات صالحہ اور اطاعات پر اکساتے ہیں اور ان کا سبب عقل کا صحیح استعمال ہے۔ یہ انسان کے اندر خوف ورجاء اور دیگر اخلاق حسنہ مثلاً شکر، صبر، توکل محبت وغیرہ ابھارتے ہیں۔ ھویٰ ان سب چیزوں کے برعکس قوت شہوہ وغضب کی عکاس ہے جسے ہم نفس امارہ بھی کہہ سکتے ہیں اور جس میں سارے حظوظ الدنیا شامل ہیں۔ جسے ہم حب دنیا بھی کہہ سکتے ہیں اور جس میں حب طعام وجنس اور تملک کے علاوہ ہر قسم کی فانی شہوات ولذات بھی شامل ہیں۔انسانی افعال کے نتیجے میں انسان یا تو خوش ہوتا ہے یا ناخوش، اسے یا تو لذت ملتی ہے یا الم۔ اس قسم کے تاثرات اور ردود افعال کو انفعالات کہا جاتا ہے۔ جیسے خوف اور غصہ۔ اس طرح ان افعال کا محرک یا تو محبت اور شوق ہوتا ہے یا نفرت وحقارت جنہیں عواطف یا جذبات کہا جاتا ہے انسان کی حیات وجدانی انہی انفعالات وعواطف کے مجموعے کا نام ہے۔

عناصر انفعال: انفعال کا انحصار تین عناصر پر ہوتا ہے۔ایک موثر یا مہیج دوسرے انسان کی نفسیاتی، عقلی اور شعوری کیفیت اور تیسرے وہ ردعمل جو ظہور پذیر ہوتا ہے۔ موثر یا مہیج خارجی بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے کسی درندے یا سانپ پر نظر پڑ جانا اور داخلی بھی ہوتا ہے جیسے کسی مالی یا بدنی نقصان کا

اندیشہ اور خوف۔ اپنے اثرات کے لحاظ سے موثر یا مہیج کے شدید یا نرم ہونے کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ وہ انسانی زندگی کی بقاء پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان عام طور پر اس وقت غضب یا خوف کا شکار ہوتا ہے جب معاملہ اسکی روزی، رہائش اور سلامتی سے متعلق ہو(۹) جہاں تک مہیج کے ردعمل کا تعلق ہے تو اس کا انحصار بڑی حد تک انسان کی تعلیم وتربیت اور ماحول ومعاشرے پر ہے کوئی شخص مثلاً اگر کسی ایسے معاشرے میں رہتا ہوں جہاں اظہار غضب اور انتقام لینے کو شجاعت اور مردانگی سمجھا جاتا ہو لامحالہ وہ غضب کے اس ردعمل سے متاثر ہوگا۔(۱۰)

امام غزالیؒ اور دوسرے مسلمان حکماء نشاط وجدانی کی بحث میں جس کو عشق، ھویٰ اور میول کہتے ہیں انہیں ہم آج کی زبان میں عواطف یا جذبات کہتے ہیں۔ عاطفہ اور انفعال میں فرق یہ ہے کہ انفعال فوری تاثر اور ردعمل کو کہتے ہیں جب کہ عاطفہ اس رجحان اور میل کو کہتے ہیں جو کسی انفعال یا کئی انفعالات کے تکرار اور انسانی تعلیم وتربیت پر مبنی انسان کے تاثر اور رجحان پر مبنی ہو مثلاً جذبہ اخوت کہ ہر انسان دوسرے انسان کے ساتھ معاشرت کا طبعی رجحان رکھتا ہے، اسکی تکلیف کو کم کرنا چاہتا ہے، اس کی خوشی میں شریک ہوتا ہے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے بزرگوں کی عزت کرتا ہے وغیرہ(۱۱)

نشاط عقلی: جسے الحیاۃ الادراکیہ یا قوت مدرکہ بھی کہا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ اس ضمن میں ادراک حسی اور ادراک عقلی میں فرق کرتے ہیں۔

ادراک حسی: ادراک حسی وہ ادراک ہے جو قوی مدرجہ یعنی حواس ظاہری وباطنی کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔ انسان کے علاوہ دیگر حیوانات بھی ادراک حسی اسی طرح حاصل کرتے ہیں۔

ادراک عقلی: ادراک عقلی وہ ادراک ہے جو عقل قوی نفس ناطقہ یعنی اعضاء جسمانی کے توسط کے بغیر حاصل کرتی ہے اور یہ خاص انسانوں سے متعلق ہے اور دیگر حیوانات اس خصوصیت سے عاری نہیں۔

ادراک حسی کا آلہ حواس خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی ہیں۔ حواس خمسہ ظاہری کی بحث امام غزالیؒ کے نزدیک سادہ انداز میں ہے۔ آپ حواس ظاہری کو ادراک کے آلات سمجھتے ہیں جن کا بنیادی ہدف جسم کو اس کی بقاء وحفاظت میں مدد دینا ہے۔ حواس ظاہری یعنی چھونا، سننا، دیکھنا، سونگھنا اور چکھنا کی ترتیب بھی آپؒ کے نزدیک کسی فعل میں ان کے کردار کے حوالے سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔ ان حواس کی فعال کارکردگی کے لئے جن واسطوں کی ضرورت پڑتی ہے امام غزالیؒ ان کا بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً سونگھنے اور سننے کے لئے ہوا اور دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت۔ وہ ان حواس کی نوعیت میں فرق کرتے ہیں جیسے لمس کو میکانکی اور چکھنے کو کیمیائی عمل قرار دیتے ہیں کیونکہ چکھنے کے فعل میں لعب دہن اہم کردار ادا کرتا ہے۔(۱۲)

امام غزالیؒ کے نزدیک حواس باطنی بھی پانچ ہیں یعنی حس مشترک، خیال، الوھم، ذاکرہ اور متخیلہ (۱۳)

حواس باطنی کی تفصیل ذیل میں ہے۔

۱۔حس مشترک: امام غزالیؒ کے نزدیک اس حس کے تین بڑے کام ہیں۔

۱۔ حواس ظاہری سے ملنے والے پیغامات کو جمع کرنا۔

۲۔ ان میں فرق کو ملحوظ رکھنا۔

۳۔ مشترکہ محسوسات کا ادراک کرنا جیسے تعداد، مقدار، حرکت سکون، شکل وغیرہ اور ان سب کے نتیجے میں ان کو معنی دینے کی کوشش کرنا جسکی تکمیل ذاکرہ اور تخیل کرتے ہیں۔(۱۴)

امام غزالیؒ حس مشترک کے وجود پر دو دلیلیں دیتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر ہم کسی روشن چیز کو تیزی سے گھمائیں تو روشنی کا دائرہ نظر آتا ہے۔ یہ دائرہ عملاً موجود نہیں ہوتا صرف ہمارے احساس کی پیداوار ہوتا ہے(۱۵) دوسرے بعض باطنی حسوں کا شعور مثلاً ہمیں بھوک پیاس محسوس

ہوتی ہے جب کہ حواس خمسہ ظاہری یا عقل سے اسکی کوئی تحریک نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ہم بھوک پیاس محسوس کرتے ہیں۔

۲۔الوھم: حس مشترک کا کام حواس ظاہری سے موصول ہونے والے اشارات کو جمع کر کے مرتب کرنا ہے تاکہ متفرق احساسات مل کر کوئی ایک صورت اختیار کر سکیں۔اب اس صورت کو معانی کا لبادہ پہنانا یہ اُس قوت کا کمال ہے جسے الوھم کہتے ہیں مثلاً بھیڑ کو اس کی بصری حس نے یہ سگنل دیا کہ وہ ایک جانور دیکھ رہی ہے جس کی جسامت کتے جتنی ہے، رنگ مٹیالا ہے، کان کھڑے ہیں۔حس شامہ نے بو محسوس کی اور یہ معلومات جب حس مشترک میں پہنچیں تو بھیڑ کو معلوم ہو گیا کہ جو جانور اس نے دیکھا ہے وہ بھیڑیا ہے اب قوت وہم نے اُسے بتایا کہ یہ بھیڑیا اس کے وجود کے لئے خطرناک ہے لہذا وہ بھاگنا شروع ہوگئی (۱۶) بھیڑیئے کو خطرناک سمجھنے والی بات موصول ہونے والے حسی اشارات میں موجود نہ تھی یہ اُسے قوت وھم نے سمجھائی گویا الوھم وہ حس ہے جو دماغ میں موصول ہونے والے اشارات کو معانی مہیا کرتی ہے گو یہ معانی جزوی ہوتے ہیں مکمل نہیں اور ان میں غلطی کا امکان ہوتا ہے جسے بعد میں عقل درست کرتی ہے۔

۳۔الخیال: اسے مصورہ بھی کہتے ہیں یہ وہ قوت ہے جو حواس ظاہری کے ذریعے موصول ہونے والے اشارات کی صورتوں کو ان کے زائل ہونے کے بعد بھی محفوظ رکھتی ہے اور ان کا اعادہ کر سکتی ہے ان صورتوں کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کی وجہ سے اسے مصورہ بھی کہا جاتا ہے۔

۴۔الذاکرہ: یہ وہ قوت ہے جو ان معانی کو جن کا ادراک قوت وھم کرتی ہے محفوظ رکھتی ہے اس لئے اسے حافظہ المعانی بھی کہا جاتا ہے۔بعض اوقات الخیال اور الذاکرہ میں فرق کو مدنظر رکھا نہیں جاتا ہے۔الخیال ان صورتوں کا حافظ ہے جن کے اشارات حس مشترک حواس خمسہ کے ذریعے وصول کرتی ہے جب کہ الذاکرہ ان معانی کا حافظہ ہے جن کا ادراک قوت وہم کرتی ہے۔(۱۷) گویا الذاکرہ خزانہ (Storage) ہے۔معانی کا اور الخیال خزانہ ہے احساس کی صورتوں کا۔

۵۔متخیلہ : متخیلہ میں نہ صرف الخیال اورالذاکرہ کی صفات ہوتی ہیں یعنی وہ حواس خمسہ ظاہری سے موصول ہونے والے اشارات کی تصاویر اوران کے معانی مدرکہ کومحفوظ رکھتی ہے اوران کا اعادہ کرسکتی ہے (یعنی یادداشت اور بازیافت کی صلاحیت بلکہ اس میں یہ اضافی قوت بھی ہوتی ہے کہ وہ ان صورومعانی کوکسی نئ شکل میں پیش کرے اوریہی فرق ہے متخیلہ اورذاکرہ میں کہ ذاکرہ محض ان صورومعانی مدرکہ کی بازیافت کرسکتی ہے جواس کے خزانے میں محفوظ ہوں گویا ابداع اور ابتکار کی صفت متخیلہ کی مرہون منت ہوتی ہے جبکہ قوت ذاکرہ اس پر قادر نہیں ہوتی ۔(۱۸)

ادراک عقلی:

امام غزالیؒ نے ادراک عقلی کے حوالے سے پانچ قسموں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔العقل الغریزی یاالھیولانی: یعنی نفس کی وہ قوت جس سے وہ اشیاء کی ماہیت بطورصورت قبول کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں حصول علم ومعرفت کی فطری استعداد جیسے انسانی بچے میں یہ خفتہ صلاحیت کہ وہ لکھ سکتا ہے۔اسے غریزی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جبلت کی طرح انسان میں موجود ہوتی ہے۔ اوراسے ھیولانی اس لیے کہتے ہیں کہ ہیولیٰ کی طرح اسکی اپنی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن یہ ہرصورت کوقبول کرسکتا ہے(۱۹)

۲۔العقل بالملکہ یاالعقل الضروری:اس سے مرادنفس کی وہ حالت ہے جب وہ ابتدائی ضروری صورتیں (تصورات/معقولات) حاصل کرلیتا ہے۔جیسے بچے کی یہ معرفت کہ قلم اوردوات سے لکھتے ہیں اورحروف والفاظ لکھتے ہیں (لیکن عملاً لکھنا ابھی اسے نہیں آتا)یہ صلاحیت سب انسانوں میں برابرہوتی ہے اوریہ عقل غریزی ہی کا گویا اگلامرحلہ ہوتی ہے۔(۲۰)

۳۔العقل بالفعل یاالعقل المکتسب : یہ وہ حالت ہے جس میں نفس کوحقائق اولیہ کے بعدصورعقلیہ کے حدوث کی کامل استعداد حاصل ہوجاتی ہے۔ یہ گویا اب اس کے پاس مخزون (سٹور) ہوتی ہیں کہ وہ جب چاہئے بلاتکلف انہیں استعمال کرسکتا ہے۔(۲۱)

۴۔العقل المستفادہ یاالعقل القدسی: یہ عقلی صلاحیت کی وہ حالت ہےجس میں آدمی کوکسی کام کے کرنے کی مطلق استعداد حاصل ہوتی ہے یعنی صور معقولہ اس میں ہر وقت موجود ہوتی ہے۔ وہ جب چاہئے ان کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ بالفعل ایسا کرسکتا ہے۔اور اسے ادراک ہوتا ہے کہ وہ ایسا کررہا ہےاور اسے صور ومعانی کا ادراک ہوتا ہے۔ یہ عقلی صلاحیت انسانوں میں کم وبیش ہوتی ہے۔(۲۲)

۵۔العقل الفعال: یہ ان عقول مفارقہ میں سے ہےجنکی وساطت سے عقل قوت سے فعل کا روپ دھارتی ہے۔اور جسکی وجہ سے انسان پر علوم ومعارف کا ادراک ہوتا ہے۔(۲۳)

یہ ساری بحث افعال کے حوالے سے تھی کہ افعال کیسے وجود میں آتے ہیں کیونکہ افعال کی تکرار سے عادتیں بنتیں اور جیسی عادتیں بنتیں ہیں اُسی طرح شخصیت سامنے آتی ہےاور افعال کے وجود میں آنے کا انحصار خیالات ومعتقدات اور ان پر عمل پیرا ہونے کے ارادے سے ہے۔

قلب انسانی پر جو کچھ گزرتا ہے اسے خواطر کہا جا تا ہے۔ظاہر اور باطنی حواس مسلسل ہمارے قلب یا نفس پر حسیات اور خیالات کی بارش کرتے رہتے ہیں۔اگر حواس ظاہری کام نہ بھی کریں تو بھی تخیل،تصورات اور یادداشت کا دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔نفس ان کے ذریعے ہمیشہ ایک شے سے دوسری شے کی طرف حرکت کرتا رہتا ہے۔دل کبھی ایک ہی حالت میں نہیں رہتا۔حسیات اور افکار کے ساتھ اس کی حالت بدلتی ہے۔ان حسیات اور افکار کو خواطر کہتے ہیں۔یہی خواطر ہمارے تمام افعال کا سرچشمہ ہیں اور تمام اعمال کے محرک۔نفس جس شے کا ارادہ یا فیصلہ کرتا ہے اسکا علم بھی اسے خواطر کی صورت میں ہوتا ہے۔امام غزالیؒ اثرات کے لحاظ سے خواطر کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں ایک وسوسہ جو شر کی طرف بلاتا ہےاور دوسرا الہام جو خیر کی طرف بلاتا ہے(۲۴)

خواطر کے بعد دوسری منزل رغبت کی طرف آتی ہے۔محسوسات اور معقولات دونوں میں اپنے آپ کو عمل میں ظاہر کرنے کا شدید رجحان پایا جاتا ہے۔ان میں قوت ہوتی ہے کہ انسان

میں کسی خواہش کو جنم دیں اس کے قلب میں کوئی آرزو پیدا کریں اس خواہش و آرزو کا نام رغبت ہے جو عمل کے لئے ایک زبردست محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔

محض خواہشات یا رغبت کا پیدا ہونا عمل کی طرف بڑھنے کے لئے کافی نہیں۔ کوئی خواہش اس وقت تک عملی جامہ نہیں پہن سکتی جب تک کہ قوت فکر وتمیز اس کے حق میں فیصلہ نہ دیدے۔ عقل اس کے فوائد ونقصانات کا جائزہ لینے کے بعد آگے بڑھنے کا حکم نہ دیدے۔ یہ منزل غور وفکر کی منزل ہے۔ جہاں عقل کسی خواہش کو قبولیت عطا کرتی ہے اس سے وہ یقین اور اعتقاد پیدا ہوتا ہے جو عمل کی ایک لازمی شرط ہے۔ اعتقاد گویا قلب کا یہ وثوق ہے کہ اس مرغوب کو فعل میں لانا چاہیئے۔

عمل کی چوتھی منزل ارادہ ہے جو ہمیشہ عقلی فیصلے کے تابع ہوتا ہے۔ خلوص اور جذبے کی جس فراوانی کے ساتھ ہم کسی خواہش کے حق کو تسلیم کرتے ہیں اتنی ہی ہمت اور استقلال سے ہم اسے پورا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ عزم اور ارادے کی پختگی کے بغیر کوئی فیصلہ عملی صورت میں نہیں ڈھل سکتا۔

ارادے کی حرکت میں بعض لوگ عقلی تحریک کا غلبہ تسلیم کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک دواعی اور جبلتوں (الجانب العاطفی والانفعالی) کا غلبہ ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ کا میلان جانب عقلی کی طرف ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک علم اور قدرت کی درمیانی منزل ہے۔(۲۵)

تاہم آپؒ نے ارادے میں دواعی (جانب العاطفی والانفعالی) کا انکار نہیں کیا کیونکہ ان کی رائے میں ہر ارادی عمل میول، خواطر، الہامات، وساوساس اور افکار کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ارادہ میول ورغبات کے بغیر ممکن ہی نہیں عمل کی تکمیل دوافع ومیول کے امتحان ہی سے ممکن ہے اور یہ امتحان بذریعہ ارادہ ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ ارادے کی تین اطراف کرتے ہیں۔

ا۔ جسمانی: جو کیفیات عضویہ کی وعقلیہ صورت میں ارادے میں شریک ہوجاتی ہیں۔

۲۔نفسی: وہ دوافع ومیول جوحرکت ارادہ میں حصہ لیتے ہیں۔

۳۔اجتماعی: وہ کیفیات جوعادات اوررسم ورواج سے وابستہ ہیں۔

امام غزالیؒ کےنزدیک ارادہ اورقدرت کے مابین ربط ہوتا ہے۔

"والعضو لا یتحرک الابالقدرۃ والدرۃ تنظر الداعیتہ الباعثۃ والداعیۃ تنظر العلم والمعرفۃفالقدرۃ حادمۃلحکم الاعتقادالمعرفۃ"(۲۶)

"یعنی کوئی عضوحرکت نہیں کرتا،مگرقدرت کے ساتھ اورقدرت کسی داعیے کے نتیجے کے طور پرظہور میں آتی ہےاور داعیہ علم یا معرفت کانتیجہ ہوتا ہے پس قدرت تابع ہےارادے کےاورارادہ تابع ہےاعتقاداورمعرفت کےحکم کے۔"

مزیدفرماتے ہیں۔

"لاھیتہلعمل بدون ارادۃلانھاروح العمل واساسہ"(۲۷)

"ارادے کےبغیرعمل کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ارادہ عمل کی روح اوراسکی اساس ہے"

امام غزالیؒ کی رائے میں ارادے کی تربیت کی جاسکتی ہےاور وہ توجہ الی اللہ اوراخلاص سےممکن ہے۔

عمل: اعتقاد کےساتھ جب ارادہ شامل ہوتا ہےتونوبت تنفیذ تک پہنچتی ہےاورخواہش پایہ تکمیل کوپہنچ کرعمل کوجنم دیتی ہے۔اس ساری گفتگو کے بعد یہ سوال کہ انسان کواپنےعمل وارادے میں کس حدتک آزادی حاصل ہےاوراس کی قدرت واختیار کی نوعیت کیا ہے؟نفس امارہ سےنفس مطمنہ تک کے سفراوراعمال کے مذکورہ بالا چارعناصرخواطر، رغبت،اعتقاداورارادہ پراگرغورکیا جائےتومعلوم ہوتا ہے کہ اعتقادوارادہ اورعمل یعنی عقل کےکسی بات کا فیصلہ کرنے'ارادے کے اسے قبول کرنے اوراپنی قوتوں کاعمل کی طرف رُخ موڑنے میں انسان کو یقینا اپنے افعال پر قدرت واختیار رکھنے کا احساس ہوتا ہےاسی اختیارکواستعمال کرنے کی وجہ سے وہ اپنے افعال کا

ذمہ دار ہوتا ہے خواہش وغور وفکر کی منزل سے گزر کر جب عقل کی قبولیت حاصل کرنے اور ارادہ اسے حاصل کرنے کے لئے مستعد ہو جائے تو اسی کو ہم دوسرے الفاظ میں اختیار کہتے ہیں۔ اختیار سے مراد ہے کسی چیز کو خیر سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کرنا اور جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی فیصلہ خیر پر مبنی ہے تو یہی امر اس پر عمل کرنے کا محرک بن جاتا ہے۔

ارادی فعل کے دو پہلے یعنی خواطر اور رغبت انسان کے دائرہ قدرت سے باہر ہیں یا کم از کم ان پر اسے پورا اختیار حاصل نہیں ہے۔ خواطر انسان کی مرضی کا خیال نہیں کرتے اور ناگزیر طور پر خواہشات کو جنم دیتے ہیں۔ لیکن اس کی عقل کو فیصلہ دینے کی آزادی ہے اور اس فیصلے کو خیر کی حیثیت سے قبول کرنے اور اسے عمل میں منتقل کرنے کا اختیار ہے۔ انسان کے افعال کا تعین کرنے والے بدیہی عناصر یعنی اعتقاد و ارادہ اور عمل اس کے اپنے شعور کے اندر جاگزیں ہیں یہی اس کی آزادی ہے۔ انسان پابند اس لیے ہے کہ لامتناہی امکانات کے دروازے اس پر نہیں کھلے ہیں۔ پہلے سے متعین محدود امکانات کے درمیان ہی اسے انتخاب کا حق استعمال کرنے کا اختیار ہے۔ اس کی اپنی فطرت اور بیرونی حالات یعنی خواطر ورغبت ان امکانات کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق پوری آزادی سے استعمال کرتے ہیں۔ اعمال کا بلا تکلف و تفکر بتکرار اصدار عادت کہلاتا ہے۔(۲۸)

امام غزالیؒ کے نزدیک کسی فعل کے عادت بننے کے دو مرحلے ہوتے ہیں پہلے مرحلے میں فعل بتکلف انجام دیا جاتا ہے پھر تکرار اور بار بار کرنے سے نفس (اور اس کے قوی) اسکے عادی ہو جاتے ہیں۔

آپؒ نے عادات کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔حرکیہ: ایسی عادات جن کا تعلق جسمانی حرکات سے ہو جیسے ایک شخص کا کتابت وخوش نویسی سیکھنا اور بار بار اس کی مشق کرنا۔

۲۔خلقیہ: ایسی عادات جن کا تعلق اخلاق سے ہو مثلاً ایک آدمی اگر حلیم اور متواضع بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تکلف سے تواضع اختیار کرے، ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے، کسی بات پر غصہ نہ کرے ان افعال پر مسلسل عمل سے انسان حلیم اور متواضع بن جائے گا۔

۳۔عقلیہ: ایسی عادات جنکا تعلق غور وفکر سے ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ چیزوں کو سطحی نظر سے نہ دیکھا جائے بلکہ ان پر تدبر و تفکر کرے، یہ اس کے مزاج کا حصہ اور عادات ثانیہ بن جائینگی۔(۲۹)

امام غزالیؒ کے نزدیک نفس کی تین قوتوں ،فکر غضب اور شہوت کی تہذیب واعتدال ہی دراصل بہترین کردار ہے۔ جب یہ تین قوتیں اعتدال کی حد کے اندر رہ کر اپنا اپنا کام کریں تو ان سے ایک چوتھی فضیلت پیدا ہوتی ہے۔ جسے عدالت کا نام دیا جاتا ہے۔

غزالیؒ نے فضائل ورذائل کی جو تقسیم بیان کی ہے اس کی دو بنیادیں ہیں پہلی قسم ان فضائل کی ہے جو کردار سے وابستہ ہیں اور جن کی گروہ بندی مذہب کی بجائے نفسیاتی بنیاد پر کی گئی ہے۔ دوسری صورت قلب سے وابستہ ہے۔ یہ وہ فضائل اور رذائل ہیں جن کا تعین روحانی معرفت سے ہوتا ہے۔ جب ذات، حب دنیا، حب الٰہی اور خوف خدا کی عدم موجودگی قلبی امراض کا باعث بنتی ہے اس کے برعکس خدا کا خوف اس کی ذلت سے محبت اور اپنی ذات سے عدم محبت تمام فضائل کے لئے اساس کا کام دیتی ہے۔

انسانی صلاحیتوں کی غلط نشوونما اس کے نصب العین کے درمیان رکاوٹ بنتی ہے رذائل یا روحانی امراض کی مختلف اقسام ہیں بعض امراض کا تعلق جسمانی اعضاء سے ہے جبکہ بعض کسی جسمانی حصے سے وابستہ نہیں ہیں مثلاً غصہ اور حسد وغیرہ، بعض بیماریوں کی نوعیت شعوری اور ارادی ہے جبکہ بعض لاشعوری نوعیت کی ہیں۔

ایک صحت مند شخصیت کے لئے لازم ہے کہ اس میں قوت عقلیہ، غضبیہ، اور شہویہ باہمی طور پر متوازن حالت میں عمل پیرا ہوں۔ اعتدال کی عدم موجودگی ذہنی بیماری کا باعث بنتی ہے۔

کردار کی تشکیل کا انحصار موروثی رجحانات اور ارادی اختیاری عناصر پر ہے انسانی اعمال کی اخلاقی قدر و قیمت کا تعین قوت ارادہ پر منحصر ہے۔ ابتداء میں تشکیل کردار کے لئے زیادہ عزم وارادہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بتدریج یہ کوشش عادات کا حصہ بن جاتی ہے اور اس میں انسان مسرت محسوس کرتا ہے۔

نزول قرآن کے تقریباً چودہ سو سال بعد تحلیل نفسی اسکول کا بانی، Freud نے شخصیت کے سلسلے میں جو اپنا نظریہ پیش کیا اور نفس کی تین اقسام، نفس کی کیفیات کی تقسیم، یہ اقسام و کیفیات امام غزالیؒ کے قرآن کریم کی روشنی میں پیش کردہ نفس کی تین اقسام نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمنہ کے مفاہیم سے ان کی کچھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے اور متعدد اہم فرق بھی ہیں۔

Freud کے نظریہ کے مطابق نفس کی تینوں اقسام کے مابین جو کشمکش ہوتی ہے وہ انسانی شخصیت کے اندر مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان انسان کی تکوینی ساخت کی امام غزالیؒ کے نظریہ کے مطابق ہوتی ہے، اور اسی کشمکش کے نتیجہ میں نفس کی تین حالتیں نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمنہ ہیں۔

فرائڈ نے نفسیاتی مسائل کے حل کے دوران کی گئی تحقیق میں رویوں کے بارے میں ان الفاظ میں بھی بات کی ہے:

''ہمارے لاشعور میں موجود طاقتور خواہشات اور نیتیں ہمارے رویوں کو کنٹرول کرتی ہیں یعنی ہمارے رویے ان کے ماتحت ہیں۔''(۳۰)

اگر ہم امام غزالیؒ کی تعلیمات جو انسان کے کردار اور شخصیت پر دی گئی ہیں کو Freud کے Concept of ID سے موازنہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ نے Freud سے پہلے انسان کی کردار اور شخصیت کی تکمیل کے لئے جو نظریات پیش کئے وہ بھی یہی تھے کہ انسان کی بدکرداری، بداخلاقی، ذہنی تناؤ، اور اس طرح کی اخلاقی وجسمانی بیماریاں جو کہ ایک

پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اسکی اصل وجہ انسان کی خدا، وحدانیت اور اس کے احکامات سے دوری ہے۔

Carl انیسویں صدی کا ماہر نفسیات ہے۔ Carl کے نظریے کے مطابق انسانی ترقی میں انفرادیت اصل کردار ادا کرتی ہے۔

Carl کے مطابق جیسے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے باقی ماہرین نفسیات کے مطابق انسان کی زندگی اعصابی نظام (Nervous System) سے تشکیل پاتی ہے۔ ہر انفرادی انسان کا اعصابی نظام (Nervous System) مختلف ڈھانچوں سے ترتیب پاتا ہے۔ جس کی بنیاد اُس کے والدین کی تربیت، اُس کی زندگی کے واقعات اور اس کی اپنی معلومات پر ہوتی ہے۔ Collective Unconsciousness میں ہر انسان کے انفرادی تجربات کو یکجا کر کے مرتب کیا جاتا ہے۔ جو یکجا ہو کر Collective Unconscious کہلاتا ہے۔(۳۱)

انفرادیت سے مراد ہے کہ کیسے ایک انسان کائنات کی اکائی اور وحدانیت میں اپنی الگ پہچان رکھتا ہے اسکی پہچان اور انفرادیت خود کائنات کی اکائی سے ماخذ ہے۔ Carl کے نزدیک انفرادیت کا تصور ایک ایسا عمل ہے۔ جس میں ایک ذاتی انفرادیت کی تشکیل Undifferentiated Unconsciousness سے اخذ ہوتی ہے۔

انفرادیت نفسیات کی تشکیل ہے یعنی ایک انفرادی شخص کی ذاتی زندگی کے تجربات جب یکجا کیے جائیں تو انسان کو کل کائنات کی ایک اکائی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جس کو Carl نے Well functionally کا نام دیا ہے۔ انفرادیت ایک ایسا عمل ہے جو ایک انسان کو دوسرے سے الگ لیکن جڑا ہوا ثابت کرتا ہے۔ Carl انفرادیت کو ایک قدرتی عمل قرار دیتا ہے۔

Carl نے نفسیات اور دوسرے الفاظ میں معرفتِ نفس پر تحقیق کرتے ہوئے ذاتِ ظاہری کے نظریے کو پیش کیا ہے۔ذاتِ ظاہری ایک نفسیاتی عمل ہے جس میں انسان شعوری طور پر کردار اور شخصیت کے لبادے میں خود کو ظاہر کرتا ہے یا بتانے کی کوشش کرتا ہے جب کہ انفرادیت ایک ایسا عمل ہے جس سے کردار اور شخصیت قدرتی اور لاشعوری طور پر تشکیل پاتی ہے۔یعنی ذاتِ ظاہر (Persona) ایک شخصیت کا خول اور ماسک ہے۔جو انسان اپنی حقیقی اور قدرتی شخصیت پر اوڑھ لیتا ہے۔انسان یہ شخصی لباس تہذیب اور معاشرے کے اثرات کے دباؤ میں آ کر اوڑھتا ہے۔نفسیات کے یہ دونوں پہلو یعنی انفرادیت اور ذاتِ ظاہری ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔(۳۲)

مغربی مفکر Carl نے امام غزالیؒ کی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ نفسِ انسانی پر اردگرد کا ماحول اثر انداز ہوتا ہے۔امام غزالیؒ نے ذاتِ ظاہری اور انفرادیت کے نظریے کو اس طرح پیش کیا ہے کہ روحانی طریقہ علاج یہی ہے کہ وہ ذات جو غرور کے نشے میں ہے اس کے نفس کو مجبوراً شائستہ بنایا جائے کیونکہ شائستگی قدرتی عمل ہے اور غرور شعوری عمل ہے اور اگر کسی انسان کی عاجزی درجے تک پہنچ جائے جو نفسِ حقیقی کا مزاج نہیں ہے تو ایسے انسان کا علاج اُسے خود پر قابلِ فخر بنانا ہے۔

Carl کے مطابق انفرادیت ایک روحانیت کا عمل ہے۔روحانیت میں مختلف مدارج طے کئے جاتے ہیں۔یعنی کہ ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہونا اس عمل کی بنیاد انفرادیت ہے۔انفرادیت کے عمل میں ایک انسان اپنی پہچان بھی کرتا ہے اور اپنے معبود کی بھی۔

Carl انسانی رویوں میں تبدیلی کے بارے میں لکھتا ہے عقیدے کا سب سے اہم جز جذبات ہیں ظلمت سے روشنی کی طرف کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی جب تک کہ انسان میں جذبات نہ ہوں۔''(۳۳)

امام غزالیؒ نے بھی کیمیائے سعادت میں یہی نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ انسان کے جذبات اُس کے ایمان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ جذبات نفس سے ہی پرورش پاتے ہیں۔

امام غزالیؒ کے بیان کے مطابق ہمارے جذبات و احساسات ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ زندگی گزارنے کے کونسے اور کس طرح کے ذرائع ہمارے پاس ہیں۔ ہمارے جذبات کا انحصار اس پر ہے کہ ہم کیسا محسوس کرتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے اور دنیا کے سامنے اپنے آپ کو کس طرح پیش کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کے مطابق نفسیات کی روح سے اخلاقی اقدار ہمارے اندر مختلف جذبات کی کیفیات پیدا کرتی ہیں۔ جب بھی انسان اپنے نفس کی تربیت کرنے لگتا ہے تو خود کو بداخلاقی اور بدکرداری سے روکنے کی سعی کرتا ہے۔ اوراس سے انسان کے نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس تکلیف سے گزرنے پر ہی انسان میں اچھے کردار و اخلاق کی پختگی پیدا ہوتی ہے۔

انسان کے روحانی اور نفسانی سکون کی ابتداء اس تکلیف کو برداشت کرنے سے ہوتی ہے جو کہ انسان اچھے کام کرنے اور برے کام سے رُکنے پر برداشت کرتا ہے۔ دل سے ایک جسم لطیف جنبش کر کے دماغ میں ہو جاتا ہے۔ جسم لطیف کو لوگ روح کہتے ہیں جو حس و حرکت کی قوتوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ روح اور ہے اس روح سے جو مر جاتی ہے یہ روح وہ ہے جسے ہم دل کہتے ہیں یہ معرفت کی جگہ ہے یہی روح جنبش کرتی ہے اور جب دماغ میں پہنچتی ہے تو دماغ کے پہلے خزانے (شعور) میں جو قوت خیال کی جگہ ہے میں جو صورت پیدا ہوتی ہے تو اس سے دماغ کے پٹھوں کی جگہ پر کچھ اثر پہنچتا ہے، پٹھے دماغ سے نکل کر بدن میں سخت طرف پہنچتے ہیں۔

دل اور جسم کے تعلق، نفس پر کام کرنے اور اس ضمن میں تکلیف برداشت کرنے کے بارے میں Carl کا نظریہ بھی امام غزالیؒ کے نظریے سے جدا نہیں ہے۔ Carl کہتا ہے:

"آپکا نقطہ نظر اس وقت واضح ہوتا ہے جب آپ اپنے دل میں جھانک سکیں۔ اپنے نفس کی ظلمتوں اور تاریکی کا علم ہونا دوسرے انسانوں کی شخصیت کے تاریک پہلو کو دور کرنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے۔"(۳۴)

دو انسانوں اور دو شخصیتوں کو کیمیائی خصوصیات کا مالک سمجھتا ہے کہ جب دو کیمیائی دھاتوں کو آپس میں ملایا جاتا ہے تو کوئی نہ کوئی ردعمل ضرور سامنے آتا ہے۔ اسی طرح جب دو شخصیتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں تو دونوں میں Transformation یعنی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔

Carl نے امام غزالیؒ کے انہی نظریات کو پیش کیا ہے۔ جو اسلام نے زندگی گزارنے کے اصولوں کی صورت میں بتائے ہیں۔ Carl کے مطابق کائنات کی ہر شے کی اپنی انفرادیت ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی اپنی انفرادی شخصیت اور کردار ہے۔ جب دو لوگ آپس میں ملتے ہیں تو دونوں کے خیالات اور کردار کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے۔ اسی لئے امام غزالیؒ انسان کے کردار کی تشکیل کے ڈھانچے میں تین طرح کے تعلقات بیان کرتے ہیں۔ انسان کا دوسروں سے تعلق، انسان کا خود سے تعلق، انسان کا اپنے پیدا کرنے والے سے تعلق۔

Adler بیسویں صدی کا ماہر نفسیات ہے۔ جب ہم Adler کے نظریے پر غور کریں۔ جو کہ Individual Psychology کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ Adler انسان کی شناخت اور تجزیہ اس کے اردگرد کے ماحول کی حیثیت سے کرتا ہے۔ Adler نے بھی اپنی تحقیق میں یہ بات ثابت کی ہے کہ انسان جس طرح اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے اسی طرح اُسکے کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔ Adler کہتا ہے:

''میرا کامل یقین ہے کہ انسان کا کردار اُس کے خیالات اور نظریے سے
جنم لیتا ہے۔ کیونکہ ہماری حسیں وہی حقائق دیکھتی ہیں مادی دنیا میں جو ہم
اُسے سمجھاتے ہیں''(۳۵)

اپنی کتاب''What Life could mean to you''میں بیان کرتا ہے کہ کوئی بھی وقوع پذیر خود کامیابی اور ناکامی کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ ہم اپنی زندگی کے تجربات اور واقعات سے نہیں بلکہ ان معنوں سے جانے جاتے ہیں جو ہم ان سے اخذ کرتے ہیں، اپنی Inner guide کی روشنی میں۔(۳۶)

انسان کا اپنے اردگرد کے ماحول، اپنی ذات اور بشر انسانی کے ساتھ ایک مضبوط تعلق ہونا چاہیئے۔ اور یہی اسلام کا بھی نظریہ ہے۔ اسی لئے اسلام نے ساتھ مل جل کر کھانا کھانے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے سنہری اصول پیش کیے ہیں۔Adler کی تحقیق کے مطابق زندگی گزارنے کا رہن سہن ہی وہ ضابطہ حیات ہے جو انسان بچپن میں ہی لاشعوری طور پر تشکیل دے دیتا ہے۔ اور پھر یہ ضابطہ حیات ساری عمر اُس کے لئے ایک Point of Reference بن جاتا ہے۔ انسان کے رویوں کے لئے اور اس کی اپنی ذات کی تشخیص اور دوسروں کو سمجھنے کے لئے۔(۳۷)

خیالات، احساسات، جذبات اور رویے انفرادی سطح پر ہر انسان کی زندگی گزارنے کا ایک زائچہ اور لائحہ عمل ہیں۔ ہر انسان میں معاشرے کے ساتھ پرامن رہنے کی وسعت اور ظرف ہوتا ہے۔ انسان کے ذہنی سکون اور نفسیاتی سلجھاؤ کا اہم اصول دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات کا احساس، خود کو مکمل کرنے کی خواہش اور دوسروں کی بھلائی میں شامل ہونا ہے۔ جب یہ خصوصیات ہی انسانی نفس میں پوری طرح نشوونما نہیں پاتیں تو احساس کمتری انسان کی شخصیت کا

حصہ بن سکتی ہے۔ نیتجتاً لاشعوری طور پر انسان اپنی ذات میں محدود (Self Centered) ہو جاتا ہے اور دوسرے انسانوں کی طرف اسکا رویہ جارحانہ ہو جاتا ہے (۳۸)

Adler نے اپنے نفسیاتی نظریات میں اس بات پر زور دیا ہے کہ ہر انسان کو اپنی انفرادیت معاشرے میں سمجھنی چاہیے۔ Adler کا ماننا تھا کہ ہر انسان کی بنیادی خواہش صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے اہم سمجھا جائے اور وہ خود کو اہم سمجھے، مساوات، والدین کی تربیت، رہنے سہنے کا طریقہ اور انفرادی شخصیت کے مختلف پہلو سب انسان کے کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں Adler نے احساس کمتری کے نظریہ کو پیش کیا ہے اس کا کہنا ہے کہ غیر متوازن شخصیت کی سب سے اہم وجہ ماں باپ کا رویہ ہوتا ہے۔ بچے کو کم عمری میں نظر انداز کرنا انسان کے کردار کی خرابی کا سب سے اہم سبب ہے۔

۱۔ کامیابی اور دوسروں سے اعلیٰ نظر آنے کی ہوس ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کے رویوں کی تشکیل میں بہت عمل دخل رکھتی ہے۔

۲۔ دنیا کے بارے میں انسان کا ادراک اس کے رویوں اور شخصیت کو تشکیل دیتا ہے۔

۳۔ انسان کی زندگی اس کی خود کی تخلیقی صلاحیتوں کی قوت کے مطابق سانچے میں ڈھلتی ہے۔ (۳۹)

Adler نے نفسیات کے صرف ایک پہلو کو بیان کیا ہے۔ جس میں وہ زیادہ زور کردار کی تشخیص پر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح اور ترقی دونوں انفرادی سطح پر کردار کی بلندی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ کردار کی بلندی میں والدین اور ہماری زندگی میں اہمیت رکھنے والے لوگوں کا برابر کا کردار ہو۔

امام غزالیؒ اور ان کے بعد آنے والے مغربی ماہرین نفسیات نے تین بنیادی چیزیں بیان کی ہیں جو انسان کے شخصی کردار یعنی Personality کی بنیاد بنتی ہیں۔

۱۔ انسان کا دوسروں سے تعلق اور اردگرد کے ماحول سے تعلق Fread ,Adler اور Carl جیسے ماہرین نفسیات نے اپنی Theroies میں یہ بات واضح الفاظ میں بتائی ہے کہ انسان کے کردار کی تشکیل اور اسکی ذہنی دباؤ اور بیماریوں کا سبب ماں باپ کا اپنے بچے کو نظر انداز کرنا اور بچپن سے دیئے جانے والے ماحول پر ہے۔ جو باتیں ہمیں بچپن میں سکھائی جاتی ہیں۔ وہ ہمارے Unconscious میں جا کر نقش ہو جاتی ہیں۔ اور ہم اسی نظریے سے دنیا کو دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ اور پھر ویسے ہی حالات اور واقعات ہمارے ساتھ رونما ہوتے ہیں۔

۲۔ انسان کا خود سے تعلق، تمام تر مغربی نفسیات نے Self پر زور دیا ہے کہ جو ہم اپنے بارے میں سوچتے ہیں ہماری حقیقت وہی ہوتی ہے۔ جس بات کا یعنی ہم اپنے بارے میں اپنے Unconscious mind کو دیتے ہیں وہی ہماری Personality کا حصہ بنتی ہے۔

جبکہ امام غزالیؒ کہ نزدیک Self کے بارے میں کہ ہم خود ہی اپنے ساتھ پیش آنے والے ہر عمل اور واقعات کے ذمہ دار ہیں۔

۳۔ انسان کا اپنے خدا سے تعلق یہی وہ آخری نقطہ ہے۔ یہاں آ کر ایک مسلم مفکر، ماہر نفسیات، مغربی مفکر اور ماہر نفسیات کی تحقیق ایک جیسی ہوتے ہوئے بھی معنی کے اعتبار سے مختلف ہو جاتی ہے۔

امام غزالیؒ اور مغربی ماہرین نفسیات دونوں کی تعلیمات اور تحقیقات معاشرے کے کردار کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ لیکن یہ بات بھی عین ممکن ہے کہ مغربی ماہر نفسیات کی تحقیقات پر عمل کرتے ہوئے ایک انسان Consciously ظالم بن جائے، بدکردار بن جائے اور جان بوجھ کر معاشرے میں خرابیاں پیدا کرے۔ لیکن امام غزالیؒ نے جو ڈھانچہ اور زائچہ تشکیل

دیا ہے تزکیہ نفس، اللہ کی یاد اور اسکے احکامات کا،ان پر عمل کی صورت میں معاشرہ صرف اصلاح کی طرف جاتا ہے۔اللہ کی یاد اور اس کے احکامات کی پابندی کرنے سے انسان کے دل و دماغ سے ظلمت، لالچ اور بدکرداری جیسے عناصر دور ہو جاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ زبیدی، محمد بن محمد حسینی، سید، اتحاف السادۃ المتقین، دارالکتب العلمیۃ جلد ۱، ص ۹

۲۔ ایضاً، جلد ۱، ص ۱۴

۳۔ ایضاً، جلد ۱، ص ۱۳

۴۔ التین: ۴

۵۔ الغزالیؒ، امام، کیمیائے سعادت، تہران: علمی وفرہنگی مکتبہ، ۱۳۱۸ھ، جلد ۱، ص ۱۷

۶۔ الغزالی، امام، احیاء علوم الدین، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، ج ۴، ص ۱۱۱

۷۔ احیاء جلد ۳، ص ۱۵، ۱۴

۸۔ احیاء جلد ۴، ص ۲۹۱، ۲۸۹

۹۔ الاحیاء، جلد ۳، ص ۱۶۵

۱۰۔ الغزالی، امام، میزان عمل، بیروت: المکتبۃ العصریہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۳۲

۱۱۔ الاحیاء، ج ۲، ص ۱۸۹، ۱۷۰

۱۲۔ الغزالی، امام، معارج السالکین، ص ۴۱، ۲۷۸

۱۳۔ تہافت الفلاسفۃ، ص ۲۴۲

۱۴۔ الغزالی، امام، معیار العلم (تحقیق فرج اللہ الکردی)، قاھرہ: ۱۳۲۸ھ، ص ۲۴

۱۵۔ الغزالی، امام، رسالہ فیصل التفرقہ فی الجواھر الغوالی (تحقیق فرج اللہ الکردی) قاھرہ: ۱۳۵۳ھ، ص ۳۵

۱۶۔ میزان عمل، ص ۳۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۲ ۱۸۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۹۔ احیاء، جلد ۱، ص، ۱۲۳

۲۰۔ میزان عمل، ص ۱۰۵، ۱۰۴

۲۱۔ احیاء جلد ۳، ص ۱۲۴، ۱۲۳

۲۲۔ المعارج السالکین، ص ۵۶

۲۳۔ احیاء جلد۱، ۱۲۳ ۲۴۔ احیاء، جلد ۳،ص ۵۷

۲۵۔ احیاء ج ۴،ص ۵۹۔۵۸ ۲۶۔ احیاء ج ۴، ص ۳۱۲

۲۷۔ احیاء، جلد ۴،ص ۳۲۸،۳۲۱ ۲۸۔ احیاء، جلد ۳،ص ۵۸

۲۹۔ الغزالی، امام، معیارالعلم،ص ۱۳۹، ۱۳۴

30. Available form: http://en.wikipedia.org/wiki/Freud_and_religion, Accessed on,[22jun-2013]
31. C.G,Jung,1996,The Archetype and the Collective Unconscious,London:p.43
32. Carl Gustav,Jung,1971,The relationship between Ego and the unconscious,New york:Viking Press,p.106
33. Available form:http://en.wikiquote.org/wiki/Carl_Jung, Accessed on [29jun-2013]
34. Available form: www.goodreads.com/author/quotes/38285.C_G_Jung, Accessed on [30jun-2013]
35. Adler,Alfred,1998,Understanding Human Nature, USA:One World Publications,1st American Edition,p.39
36. Adler,Alfred ,1931,What life should mean to you, Boston:Little Brown,Original Version,p.38
37. Ibid,p.96
38. Available form :www.alfredadler.edu/about/theory, Accessed on [2Jul-2013]
39. Available form :http://mypage.siu.edu/gmieling/541/Aderian%20Theory%20of%20Personality.ppt, Accessed on [3jul-2013]

ملفوظاتی ادب میں مباحث توحید (مطالعہ و جائزہ)

ثریا بانو
پی ایچ۔ڈی اسکالر (سیشن ۲۰۱۴ء۔۲۰۱۷ء)

ABSTRACT:

"Malfoozati literature" is very precious asset of cultural history of Hindustan. The most Hindi Historian of middle ages were impressed by Irish view of history and that is why in the history books of that time there is nothing but only the adventures of wars and the life history of kings of that time. There is nothing about the people. "Malfoozat" make up this deficiency. It is said about Sufia that their teachings are far from the teachings of "Quran" and "Sunnah". So it is need of the hour that this doubtful concept should be removed and to prove that the teachings of Sufia are according to the "Quran" and "Sunnah" but their style of teaching is different from others. They preach about creeds as "Quran" and "Sunnah", Specially Aqeeda Touheed. Sufia discussed "Tauheed" (Oneness of Allah) very deeply and scholarly style.

لغوی اعتبار سے ملفوظ کا معنی ہے پڑھا گیا، جو پڑھنے میں آئے، منہ سے بولی ہوئی بات، اس کی جمع ملفوظات ہے۔(۱) اصطلاحی معنوں میں ملفوظات مجموعہ ہوتے ہیں ان بیانات کا جو اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کی ترغیب و تحریص کے لیے صوفی بزرگ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے مجمع میں بیان کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ ان میں سامعین کی استعداد کا، ان کے

امراض قلبیہ کے دفعیہ کا اوران کی روحانی ترقی کا پورا پورا لحاظ ہوتا ہے۔ اکابر اولیاء اللہ کا ذکر بھی آجاتا ہے جو اثر اور تاثیر کو دوبالا کر دیتا ہے۔ملفوظات کو اشارات اور اقوال وفوائد بھی کہتے ہیں اور ان کے مجموعے کو کتبِ اہل سلوک اور کتبِ مشائخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۲)

ملفوظاتی ادب کا آغاز وارتقاء:

ملفوظاتی ادب کا آغاز امیر حسن علاء سنجریؒ نے ۳ شعبان ۷۰۷ھ، ۲۸ جنوری ۱۳۰۸ء کو شیخ المشائخ حضرت امام حضرت نظام الدین اولیاء کے الفاظ کو ''فوائد الفواد'' کی صورت میں مقید کر کے کیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان روح پرور مناظر کی ایک جھلک دیکھ سکیں۔ (۳)

امیر حسن علاء سنجریؒ نے تصوف میں ایک نئی صنف ایجاد کی اور ملفوظ نویسی کی داغ بیل ڈال دی اور یہ فن تصوف کی نشر واشاعت کا ایک مؤثر ذریعہ بن گیا۔ امیر حسن کے اس تجربے نے اہل قلم کو اس طرف متوجہ کیا اور اوچ شریف سے لے کر بہار شریف تک ملفوظات کی ترتیب و تدوین کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ (۴) ''فوائد الفواد'' سے لے کر ''دار المعارف'' تک ملفوظات کے مجموعوں کی فہرست درج ذیل ہیں:

نام مرتبین	ملفوظات	صاحب ملفوظات
امیر حسن علاء سنجری	فوائد الفواد	حضرت نظام الدین اولیاء
۲۔علی بن محمود	درنظامی	سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء
۳۔حمید قلندر	خیر المجالس	حضرت خواجہ تفسیر الدین محمود دہلی
۴۔سید محمد اکبر حسینی	جوامع الکلم	حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز
۵۔محمد علی سامانیؒ	سیر محمدی	حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز
۶۔عماد کاشانی	نفائس الانفاس	حضرت برہان الدین غریبؒ

۷۔حماد کاشانی	احسن الاقوال	حضرت برہان الدین غریبؒ
۸۔فرید الدین محمود	سرور الصدور فی نور البدور	حضرت حمید الدین سوالیؒ
۹۔یحییٰ بن علی الاصغر	ملفوظات اخی جمشید راجگیری	اخی جمشید راجگیریؒ
۱۰۔زین بدر عربی	معدن المعانی	مخدوم شریف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ
۱۱۔زین بدر عربی	خوان پُرنعمت	مخدوم شریف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ
۱۲۔علاء الدین	جامع العلوم	مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشت
۱۳۔فضل اللہ	خزانہ جواہر جلالیہ	مخدوم جہانیاں سید جلال الدین جہانگشت
۱۴۔سید محی الدین رضوی	ملفوظات شاہ مینا لکھنویؒ	شاہ مینا لکھنویؒ
۱۵۔خواجہ جمال	تحفۃ السعداء	حضرت سعد خیر آبادیؒ
۱۶۔شیخ رکن الدینؒ	لطائف قدوسی	حضرت عبدالقدوس
۱۷۔خواجہ معین الدین نقشبندی	مراۃ طیبہ	خواجہ خاوند محمودؒ
۱۸۔محمد خان شاہ جہان پوری	ملفوظ رزاقی	شاہ عبدالرزاق ہانسویؒ
۱۹۔شاہ رؤف احمد	درالمعارف	شاہ غلام علی دہلویؒ

ملفوظاتی ادب کی اہمیت:

ملفوظاتی لٹریچر ہندوستان کی تہذیبی وفکری تاریخ کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔اس سے نہ صرف صوفیاء کرام کی زندگی اور ان کے افکار ونظریات پر روشنی پڑتی ہے۔ بلکہ اس دور کی ذہنی فضا،معاشی حالات،ادبی تحریکات اور سماجی رجحانات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ کے بیشتر ہندی مؤرخین ایرانی نظریہ تاریخ سے متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخوں میں بادشاہوں کے حالات اور جنگی مہمات کی تفصیل تو ملتی ہے عوام کی زندگی اور ان کے مسائل کی کہیں کوئی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ ملفوظات تاریخ کے مآخذ کی اس کمی کو پورا کرتے ہیں۔ ملفوظات میں چونکہ اکثر یا تو مریدین کے سوالات ہوتے ہیں جو وہ اپنے شیخ سے کرتے ہیں اور شیخ ان کے جواب دیتا ہے یا پھر مرید کے آنے سے پہلے کوئی بات چل رہی ہوتی ہے اور شیخ اسی بات کو مزید آگے بڑھاتا ہے یعنی اس میں مرید اور شیخ کی براہِ راست گفتگو ہوتی ہے اس لیے اس میں عوام کے دلی جذبات ان کی پوشیدہ آرزوئیں، کشمکش حیات میں ہار جیت، ان کی مایوسیاں، پریشانیاں ان کی معصوم حسرتیں سب ہی شامل ہوگئی ہیں۔ الغرض جو بات آپ کو تاریخ کی کتب سے معلوم نہیں ہوسکتی ملفوظات کی کتب میں موجود ہوگی۔ ملفوظات کے مطالعہ سے کئی اہم تاریخی انکشافات ہوئے ہیں۔

مثلاً مخدوم جہانیاں جس زمانے میں مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھے، ان دنوں انہوں نے وہاں ایک نئی رسم دیکھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ اُحد سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو شہداء کے گھروں میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی اور آہ و بکا کی آوازیں آرہی تھیں لیکن سیّد الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں خاموشی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ حمزہؓ کی شہادت پر آنسو بہانے والا کوئی نہیں ہے؟ جب انصار تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے اپنی خواتین کو حضرت حمزہؓ کی تعزیت کرنے کے لیے بھیجا۔ مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہاں یہ رواج ہوگیا کہ جب لوگ کسی کے ہاں تعزیت کے لیے جاتے ہیں تو پہلے حضرت حمزہؓ کی تعزیت کرتے ہیں اور پھر متوفی کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں۔ یہ رواج مخدوم صاحب کے زمانے تک وہاں چلا آتا تھا۔ (۵)

توحید کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

توحید کا لغوی مطلب ہے ایک ماننا، خدا کے ایک ہونے پر یقین کرنا، وحدانیت، یکتائی۔ (۶) اصطلاحی معنی کے اعتبار سے توحید یہ ہے کہ قدیم کو حادث سے جدا جانے۔ (۷)
توحید کا ایک مفہوم اللہ تعالیٰ کو ایک کہنا ہے۔ (۸)

توحید از روئے قرآن:

اثبات توحید کی دلیل دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" (۹)

(کہو وہ اللہ ایک ہے۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" (۱۰)

(اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔)

یعنی اس واحد ذات کو کمال حدیث کے ساتھ ایک ماننا یہ ہے کہ وہ ایسا واحد ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی اس کی ضد، شریک، مشابہ کی نفی کی جائے کہ اس کو کسی سے تشبیہ نہ دی جائے نہ اس کی کوئی کیفیت ہے نہ صورت اور نہ ہی مثال۔

صوفیائے کرام نے مسئلہ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کی ہے۔ شرح و بسط کے ساتھ یہ مباحث ملفوظات میں موجود ہیں۔ جہاں تک متکلمین کا تعلق ہے تو متکلمین نے عقائد کی وضاحت اور درستی و اصلاح کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں لیکن علم الکلام کی صعوبتوں میں پڑنے کا ہر کس و ناکس استحقاق نہیں رکھتا۔

اس کے برعکس صوفیائے کرام نے انھیں عقائد کی درستی کے لیے جس طریقہ سے کام کیا ہے وہ قابل قدر اور قابل تقلید ہے۔ صوفیہ کے ہاں دقیق اصطلاحات نہیں ہوتی بلکہ ملفوظات کی

زبان عوامی ہوتی ہے اور صوفیہ مشکل سے مشکل چیز کو سامنے جو لوگ بیٹھے ہوتے ہیں ان کی استعداد کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ الغرض ملفوظات کے اندر عقیدہ توحید کے بارے میں واضح اور مفصل مباحث موجود ہیں۔ اگر اقسام توحید کی بات کی جائے تو صوفیہ کرامؒ نے توحید کی ہر قسم پر ملفوظات کے اندر گفتگو کی ہے مثلاً:

توحید ذاتی:

توحید ذاتی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا اور لاثانی ہے۔ اس کے علاوہ جملہ موجودات کو وجود باری تعالیٰ یقین کرنا اور مؤثر حقیقی و موجود اصلی ذات حق کے سوائے دوسرے کو نہ جاننا۔

ملفوظات کے اندر توحید ذاتی پر بحث کی گئی ہے مثلاً ''مرآت العاشقین'' میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے کلام الٰہی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ خدا نے فارسی، ہندی ہر زبان میں گفتگو کی ہے اس کی ذات کا ظہور ہر زبان اور ہر مظہر میں ہے۔ (۱۱)

آپؒ سے مسئلہ توحید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے تختی پر فارسی عبارت لکھ کر اسے دی کہ لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کی ذات کے سوا کوئی موجود نہیں۔ لہٰذا یہ دنیا اور آخرت ذات کے تعینات اور تقیدات ہونے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ زید، عمرو بکر وغیرہ تعینات اور خواص میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اصل میں سب انسان ہیں اسی طرح ذات مطلق تعینات اور خواص میں متنوع اور متعدد نظر آتی ہے اور حقیقت میں ایک ہی ہے جب پردے اٹھتے ہیں تو حقیقت ایک ہی نظر آتی ہے اور لاموجود الاھو کے یہی معنی ہیں۔ (۱۲)

توحید صفاتی:

توحید صفاتی سے مراد ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ موجود ہے۔ قدیم ہے، واحد ہے، حکمت والا ہے، قادر ہے، جاننے والا ہے، قہر وغضب والا ہے، رحیم ہے، ارادہ کرنے والا ہے، سننے والا

ہے، بزرگی عطا کرنے والا، بلندی والا، کام کرنے والا، دیکھنے والا، بڑائی والا اور قدرت والا ہے، زندہ ہے، احد (ایک) ہے، باقی رہنے والا اور بے نیاز ہے۔

وہ علم کے ساتھ عالم، قدرت کے ساتھ قادر، ارادے کے ساتھ مرید (ارادہ کرنے والا) سننے کے ساتھ سمیع (سننے والا) دیکھنے کے ساتھ بصیر (دیکھنے والا)، کلام کے ساتھ متکلم، حیات کے ساتھ حی (زندہ) اور بقاء کے ساتھ باقی ہے۔

اس کے دو''ید'' ہیں۔ جو اس کی صفات ہیں ان کے ساتھ جو کچھ چاہے پیدا کرتا ہے وہ پاک ہے یہ صفات اس کے ساتھ خاص ہیں اس کا''وجہ'' (چہرہ) ہے اور اس کی ذاتی صفات اس کی ذات کے ساتھ خاص ہیں نہ تو ان کو عین ذات کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی ذات کا غیر کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ اس کی ازلی صفات ہیں اور اس کی سرمدی (دائمی) صفات ہیں وہ اپنی ذات میں واحد ہے اور وہ اپنی مصنوعات (مخلوقات) میں سے کسی کے مشابہ نہیں اور نہ ہی مخلوقات میں سے کوئی شے اس کے مشابہ ہے۔(۱۳) قرآن کریم میں ہے:

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ" (۱۴)

(وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی، جانتا ہے چھپا اور کھلا، وہ ہے بڑا مہربان رحم والا، وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہے، پاک ذات، امان دیتا ہے، پناہ میں لیتا، زبردست دباؤ والا، صاحب بڑائی کا، پاک ہے وہ اللہ اس سے جو شریک بتاتے ہیں۔)

اسرار الاولیاء میں خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر فرماتے ہیں کہ سورہ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان ہوئی ہے۔ قل ھو اللہ احد اس کی صفت ہے۔ پس جو شخص درست اعتقاد سے پڑھے گویا تمام صفات بیان کر دیں۔(۱۵)

پھر خواجہ فرید الدین گنج شکر سورۂ اخلاص کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جو شخص حج کرنا چاہے وہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ الحَکِیمُ الکَرِیمُ پڑھے اور جو اللہ کو خوش کرنا چاہے وہ لا اِلٰہَ الا اللّٰہُ محمد رسول اللہ بکثرت پڑھے۔ (۱۶)

صفات باری تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقل مند وہ شخص ہے جو سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور کسی سے کسی طرح کی امید نہ رکھے۔ (۱۷)

مولانا جلال الدین رومی نے ایک آیت کریمہ "فَإِنَّ اللهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ" (۱۸) (خداوند تعالیٰ آفتاب کو مشرق سے طلوع کرتا ہے۔) کی تفسیر کے ضمن میں اپنے ملفوظات کے اندر توحید صفاتی کا اقرار کیا ہے کہ یہ خدا کا کام ہے۔ وہ اگر چاہے تو آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دے اور اگر چاہے تو مشرق سے کیونکہ:

"وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ" (۱۹)

(وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔)

توحید افعالی:

توحید افعالی یعنی جملہ موجودات کو افعال خدا سمجھنا، یعنی اس بات کی پہچان حاصل کر لینا کہ مخلوق کی حرکات اور سکون اللہ وحدہٗ کا فعل ہے۔ اس کو کوئی شریک نہیں۔

''الابریز'' میں غوث زمان عبدالعزیز دباغ الحسنی الادریسی نے افعال باری پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ افعال باری کا حکم انسانوں سے مختلف ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے امام غزالی کی کتاب ''مستصفی' اور ''الاقتصاد'' کے حوالے درج کیے ہیں اس کے علاوہ اس موضوع پر قاضی ابوبکر باقلانی کی تصنیف البرھان اور ابوالحسن الابیاری کی ''شرح البرھان'' سے بھی حوالے دیے ہیں۔ (۲۰)

مزید یہ کہ ملفوظات کے اندر سیدی دباغ عبدالعزیز نے متکلمین کے درمیان اللہ تعالیٰ کے احکام و افعال کے سلسلہ میں اختلاف رائے کو بھی بیان کیا ہے۔ اور اہل سنت اور معتزلہ کی رائے میں اختلاف کو واضح کیا ہے۔ (۲۱)

سیدی دباغ عبدالعزیزؒ نے اس قیاس کو فاسد قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام کو مخلوق پر قیاس کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام کو مخلوق پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ (۲۲)

الغرض سیدی دباغ عبدالعزیزؒ نے اپنے ملفوظات کے اندر نہ صرف ''توحید افعالی'' کو واضح کیا بلکہ معتزلہ کے نکتہ نظر کی تردید میں امام غزالی کی تحقیق کو بھی نقل کیا ہے۔ (۲۳)

آپؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (کے احکام و افعال کی) حکمتوں کی کوئی حد نہیں ہے اور کوئی حادث یعنی (کوئی بھی مخلوق) ان تمام حکمتوں سے واقف نہیں ہوسکتا اس لیے وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں حکم باری تعالیٰ کی حکمت کے تقاضوں کے خلاف ہے کیونکہ یہ فیصلہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جب کوئی شخص اللہ کی تمام تر حکمتوں سے آگاہ ہو جائے اور یہ بات محال ہے۔ (۲۴)

ملفوظاتی ادب میں توحیدی مباحث:

ملفوظات کے اندر صوفیہ کرام نے توحید پر مختلف طریقوں سے روشنی ڈالی ہے۔ ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ کرام نے توحید کی تبلیغ کے لیے اگرچہ الفاظ مختلف استعمال کیے ہیں لیکن ان کی تعلیمات کا لب لباب ایک ہی ہے اور تمام صوفیہ کرام نے قرآن وسنت کے مطابق توحیدی نظریات کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ چند اہم مباحث درج ذیل ہیں۔

وحدۃ الوجود:

اسلام دین توحید ہے کہ عقائد اسلام کی اساس اور بنیادی عقیدہ توحید ہی ہے۔ وہ خالق و مالک جس نے انسان و حیوان ہی نہیں مخلوق کا ہر مظہر تخلیق کیا اپنی ذات میں بھی یکتا ہے اور اپنی

صفات وقدرت میں بھی واحد ہے۔ ذات وصفات کے کسی اظہار میں بھی کسی اور کی شراکت کا تصور شرک ہے۔ وہ حیی وقیوم ہے کہ:

''وجودہ بہ وجود کل شئی بہ''

اس کا وجود قائم بالذات ہے جب کہ ہر چیز کا وجود اس کے سہارے قائم ہے۔ وہ واحد یکتا ہے کہ نہ کسی نے اس کو جنا اور نہ کسی کو اس نے جنا، وہ اس قدر بے نیاز ہے کہ کوئی اس کی مثل بھی نہیں، اسی کی قدرت سے جہاں تخلیق ہوئے اور اس کی قدرت ان کو قائم رکھے ہوئے ہے، توحید کا عقیدہ علماء امت کی محفلوں میں ہر دور میں زیر بحث رہا، وحدت آشنائی کا جوش کبھی اس قدر نمایاں ہوا کہ غیر حق کسی وجود ہونا ہی تسلیم نہ کیا، مست الست بزرگ غیر کے وجود کے خیال کو بھی شرک کہتے ہیں۔ یقیناً یہ تصور توحید خواص کی مجالس کا موضوع تھا مگر بسا اوقات ان لوگوں نے اس پر ہاتھ ڈالا جو وحدت کے تقاضوں کو نہ جانتے تھے۔ اگر مولانا رومؒ اس پر گفتگو کریں تو عقیدے کی متانت ضرور محافظ رہے گی۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے ہاں یہ عقیدہ مرکز ایجات بنا، وحدت الوجود کی آپؒ کے بعد تمام تشریحات وتوجیہات آپؒ کے اثرات لیے ہوئے ہیں۔ مخالفت بھی ہوئی اور موافقت کی صف بندی بھی ہوئی۔ صوفیا کے ہاں ایسے مباحث ہر دور میں زندہ رہے۔ شعرا نے بھی ان بحثوں میں حصہ ڈالا، اگرچہ نقشبندیہ اس کی بعض تشریحات سے متفق نہ تھے بلکہ مجدد الف ثانیؒ سے وحدۃ الشہود کا تطبیقی نظریہ بھی سامنے آیا تو دیگر سلاسل تصوف خصوصیت سے چشتیہ کے ہاں فکر کی ساری اساس اسی نظریہ پر رہی ہے۔(۲۵)

ملفوظات میں وحدۃ الوجود کے بارے میں مفصل بحث موجود ہے بہت سے صوفیہ کرام نے وحدۃ الوجود کو اپنی گفتگو کا موضوع سخن بنایا ہے مثلاً ''مرأت العاشقین'' جو کہ اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ملفوظات عالیہ کا مجموعہ ہے اس میں آپؒ نے فرمایا ہے کہ وحدۃ الوجود کے اصل بانی شیخ محی الدین ابن عربی ہیں۔(۲۶)

مولانا جلال الدین رومی نے بھی اس مسئلے کو تقویت پہنچانے کے لیے مثنوی میں پرجوش انداز بیان کے ساتھ ایک بھرپور کوشش کی ہے۔(۲۷)

اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے مسئلہ وحدۃ الوجود کو اس قدر نازک سمجھا ہے کہ سالک کو تلقین کی ہے کہ وہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو پوشیدہ رکھے لیکن اہل لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق بیان کریں۔(۲۸)

خواجہ صاحب نے ملفوظات کے اندر نہ صرف مسئلہ وحدۃ الوجود کے مختلف نکات پر سیر حاصل بحث کی ہے بلکہ اس مسئلہ کو ماننے اور انکار کرنے والوں پر بھی مفصل بحث کی ہے۔ مثلاً ماننے والوں میں شیخ ابن عربی اور اس مسئلہ کے خلاف گفتگو کرنے والوں میں حضرت مجدد الف ثانیؒ پر بھی بحث کی ہے۔(۲۹)

ذکرتوحید اور دیدار حق:

اس ضمن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے ''افضل الفوائد'' کے اندر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل معرفت وتوحید کے گروہ کو قیامت کے دن بخش دے گا بہشت ان پر واجب کر دے گا اور ان پر اپنے نور کی تجلی کرے گا۔(۳۰)

اس کے بعد مندرجہ بالا نکتہ کے ثبوت میں ایک حدیث بیان فرمائی ہے۔(۳۱)

اللہ کے سوا سجدہ جائز نہیں:

صوفیہ کرام کے بارے میں ایک عام غلط فہمی جس کا شکار نہ صرف عام عوام ہیں بلکہ علماء بھی اس غلط فہمی سے نہ بچ سکے وہ یہ ہے کہ صوفیہ کے ہاں نعوذ باللہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا تصور موجود ہے۔ حالانکہ اس بات میں ذرہ برابر بھی سچائی نہیں۔ صوفیہ کرام نے قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی، ''مفتاح العاشقین'' میں سجدہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ گزشتہ امتوں کے لیے والدین، پیر، استاد اور بادشاہ کو سجدہ کرنا مستحب تھا مگر جب آنحضرت ﷺ کا زمانہ آیا تو استحباب سجدہ نہ رہا۔ (۳۲)

قرآن وسنت سے استدلال:

صوفیاء کرام نے توحیدی مباحث کے سلسلہ میں قرآن وسنت سے استدلال کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی تعلیمات قرآن وسنت سے منافی نہیں۔

قرآن سے استدلال:

انسانی مصروفیتوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مولانا جلال الدین رومیؒ نے آیت توحید سے استدلال کیا ہے۔

"اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" (۳۳)

(کوئی چیز نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو۔)

''مفتاح العاشقین'' میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے ذکر خفی اور ذکر جلی کی ماہیت بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت توحید نقل کی ہے:

"فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ" (۳۴)

(یعنی اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو۔)

اسرار اولیاء میں سورۂ اخلاص کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آیت توحید نقل کی ہے:

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" (۳۵)

(کہو وہ اللہ ایک ہے۔)

احادیث سے استدلال:

ملفوظات میں مختلف مقامات پر صوفیا کرام نے عقیدہ توحید کو اضح کرنے کے لیے احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے مثلاً:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ذکر توحید اور دیدارِ حق تعالیٰ کو بیان کرتے ہوئے شیخ ابوبکر شبلی سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب مخلوق کا حشر کرے گا اور توحید کے ماننے والوں کو بخش دے گا۔ (۳۶)

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی اللہ کے سوا سجدے کے ناجائز ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

"من سجد بغیر اللّٰہ فقد کفر" (۳۷)

(یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

الغرض اس پُرفتن دور میں جب کہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کو شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے اور ان کے متعلق یہ افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں کہ ان کی تعلیمات قرآن وسنت سے ہٹی ہوئی ہیں۔ ضروری تھا کہ مفسدین کی اس آراء کا رد کیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ صوفیائے کرام نے قرآن وسنت سے ہٹ کر کوئی نئی بات نہیں کی بلکہ ان کا صرف انداز مختلف تھا ورنہ انھوں نے بھی عقائد خصوصاً عقیدۂ توحید کی بالکل اِسی طرح وضاحت کی ہے اور توحید کی طرف بالکل اس طرح بلایا ہے جس طرح قرآن وسنت نے، لہٰذا صوفیائے کرام کے متعلق اس فتنے کا رد ضروری ہے۔

ملفوظات سے ہی وہ واحد طریقہ تعلیم وتربیت مل سکتا ہے جو علمی طور پر اس مادی زدہ ماحول میں عبد کا تعلق اپنے الہ سے قائم و دائم رکھ سکتا ہے۔ ملفوظات میں جو تعلیمات ہیں وہ شریعتِ محمدی سے ہٹ کر کوئی الگ اور نئی چیز نہیں۔ جن کے ساتھ تعلق پیدا کرنا عصر حاضر کی ایک

اہم ضرورت ہے۔ ملفوظات کے مطالعہ سے عقیدہ توحید کی اصلاح کے ساتھ ساتھ نئی نسل اس بات سے بھی آگاہ ہوگی کہ کس طرح صوفیائے کرام نے عقیدہ توحید جیسے بنیادی عقیدہ کی تبلیغ کی اور ان کا انداز کس قدر وضاحتی تھا۔ اس طرح نوجوان نسل اپنے سلف صالحین کے کارناموں سے بھی آگاہ ہوگی۔

وہ لوگ جو ملفوظات کے اندر صوفیا کی تعلیمات پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قرآن و سنت کے موافق نہیں صرف غلط فہمی میں مبتلا ہیں کیونکہ تصوف کے اندر صوفیا خاص اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جو ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

حوالہ جات

۱۔ فیروزالدین،الحاج،مولوی، فیروزاللغات، لاہور: فیروزسنز پرائیوٹ لمیٹڈ،س ن،ص ۱۲۸۳
۲۔ محمد اسلم، پروفیسر، ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب، ۱۹۹۵ء،ص۹
۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً،ص۱۱
۶۔ فیروزالدین،الحاج،مولوی، فیروزاللغات، لاہور: فیروزسنز پرائیوٹ لمیٹڈ،س ن،ص ۳۸۹
۷۔ حضرت داتا گنج بخش،علی بن عثمان الہجویریؒ، کشف المحجوب،حضرت (مفتی) سیدغلام معین الدین نعیمیؒ، لاہور: زاویہ فاؤنڈیشن، ۲۰۰۸ء،ص۴۰۱
۸۔ حضرت امیر خسروؒ، افضل الفوائد، لاہور: شبیر برادرز،س ن،ص ۶۵
۹۔ الاخلاص:۱ ۱۰۔ الشوریٰ:۱۱
۱۱۔ سیدمحمد سعید، مرأت العاشقین، غلام نظام الدین ایم اے مرولوی، لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۱۱ء،ص۲۷۸
۱۲۔ ایضاً،ص ۲۸۳-۲۸۴
۱۳۔ عبدالکریم ھوازن قشیری، ابوالقاسم، رسالہ قشیریہ، مترجم: مفتی محمد صدیق ہزاروی، لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرت، ۲۰۰۹ء،ص ۶۲
۱۴۔ الحشر:۲۳
۱۵۔ بدرالدین اسحاقؒ،حضرت خواجہ، اسراراولیائؒ، لاہور: شبیر برادرز،س ن،ص ۴۳
۱۶۔ ایضاً،ص ۴۴
۱۷۔ ایضاً،ص۶۹
۱۸۔ البقرہ:۳۵
۱۹۔ جلال الدین رومی، مولانا، ملفوظات رومی فیہ مافیہ، مترجم: عبدالرشید تبسم، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۱ء،ص۲۹۷
۲۰۔ احمد بن مبارک السلجماسی المالکی، امام شیخ، الابریز، مترجم: ابوالعلا محمد محی الدین جہانگیر، لاہور: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، بارسوم، ۲۰۰۹ء،ص ۵۵۹

۲۱۔ ایضاً ۲۲۔ ایضاً ۲۳۔ ایضاً، ص ۵٦۰ ۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ محمد اسحاق قریشی، پروفیسر ڈاکٹر، بہار چشت، لاہور: قطب پرنٹرز، ۲۰۰۹ء، ص ۲۱۱

۲٦۔ سید محمد سعید، مرأت العاشقین، غلام نظام الدین ایم اے مرولوی، لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۲۰۱۱ء، ص ۲۷۴

۲۷۔ ایضاً ۸۔ ایضاً، ص ۲۷۷

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۷٦ ۳۰۔ امیر خسرو، حضرت، افضل الفوائد، ص ٦۵

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ خواجہ محب اللہؒ، مفتاح العاشقین، لاہور: شبیر برادرز، س ن، ص ٦

۳۳۔ جلال الدین رومی، مولانا، ملفوظات رومی فیہ مافیہ، ص ۱۴۵

۳۴۔ خواجہ محب اللہؒ، مفتاح العاشقین، ص ۱۰

۳۵۔ بدرالدین اسحٰق، حضرت خواجہ، اسرار اولیاء، ص ۴۳

۳٦۔ امیر خسرو، حضرت، افضل الفوائد، ص ٦۵-٦٦

۳۷۔ خواجہ محب اللہؒ، مفتاح العاشقین، ص ٦

تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی
(پس منظر اور اثرات)

محمد ندیم
ایم۔فل اسکالر (سیشن ۲۰۱۳ء۔۲۰۱۵ء)

ABSTRACT:

The invitation that initiated by prophet Muhammad was global in its nature. This was a revolutionary Dawat which intends to change the thought and action of the human being. The Dawat of the last Prophet was quite distinct from the previous ones, in its approach and effect. The task of Dawat was carried out by the companions of the prophet through different movements. In the subcontinent, two prominent movements played a commendable role in promoting the cause of Dawat as per the order of Islam, as Islam has make it birding upon at least one augment of the Muslim community to take up the mission of Dawat. One is the Tableghi Jamat and other is Dawat-i-Islami. Both the organization have been discussed here.

اسلام ایک دعوتی دین ہے جو سب کے لئے ہے اور سدا کے لئے ہے۔ایک ایسے دین میں دعوت وتبلیغ کا فرائض کی فہرست میں سب سے اوپر ہونا بالکل فطری بات ہے۔اسلام واحد ایسا دین ہے جو اپنی دعوت میں زمان ومکان سے ماوراء رنگ ونسل سے بلند اور لسانی واقلیمی حدود وقیود سے پوری طرح آزاد ہے۔وہ ہر انسان کو اس کے خالق ومالک کی طرف بلاتا ہے۔دنیا کے تمام مذاہب' قدیم ہوں یا معاصر' یا تو غیر دعوتی ہیں یا پھر ان کی دعوت نسلی' لسانی یا جغرافیائی حدود

میں مقید ہے بدھ ازم برہمنیت کی تعدیت اور ظلم کے ردعمل میں پیدا ہونے والی ایک تحریک ہے جو ایک مستقل مذہب کے لئے ضروری عناصر سے خالی ہے اور رہی عیسائیت تو وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصریحات کے مطابق صرف بنو اسرائیل کے لئے تھی، جسے ان کے متبعین نے ان کی تعلیمات کے برخلاف عالمی بنانے کی کوشش کی ہے۔صرف اسلام ہے جو عالمی و دائمی پیغام کا حامل ہے۔اسی لئے اس کے لانے والے رسول ﷺ رحمۃ للعالمین کا تاج اور للعالمین نذیرا کی قبائے زیبا پہنا کر بھیجا گیا ہے اور انہیں بعثت کے بعد جو پہلا حکم دیا گیا ہے وہ دعوت وتبلیغ کا تھا۔دعوتی وتبلیغی مذاہب میں سے اسلام جس شان تبلیغ کا حامل ہے۔اس سے دیگر مذاہب ہی نہیں کوئی بھی اور تحریک کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ایسا ہونا فطری ہی نہیں ، ناگزیر عمل بھی تھا۔کیوں کہ قرآن مجید میں اس امت کا ایک اہم مقصد وجود دعوت کو قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ"(۱)

"دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

یہ حکم آج بھی ہر مسلمان کے لیے باقی ہے۔کہ اس دین کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو اسے دوسروں تک پہنچائے۔قرآن کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ کار دعوت نبی کریم ﷺ کے امتی کا امتیازی وصف ہے۔جب تک دین کے حوالے سے مسلمانوں کا اجتماعی شعور بیدار رہا، دعوت وتبلیغ کا کام فرد، معاشرہ، امت اور ریاست، ہر سطح پر جاری رہا۔دور انحطاط میں اس کام کو کسی نہ کسی انداز میں انجام دینے کی کوشش کی جاتی رہی۔موجودہ دور میں جسے

داعیان دین احیائے اسلام کا دور کہتے ہیں۔مختلف خطوں میں دعوتی کام مؤثر اور منظم انداز میں کرنے کے لیے دعوتی و تبلیغی تنظیمیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں۔انہی دعوتی تنظیموں میں سے برصغیر میں دعوت اسلامی اور تبلیغی جماعت سرفہرست ہیں۔

تبلیغی جماعت کا تعارف:

برصغیر میں دین اسلام کے پھیلاؤ میں بہت ساری جماعتوں نے اپنے اپنے انداز میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا ان میں سے ایک تبلیغی جماعت کے نام سے موسوم ہے۔تبلیغی جماعت سے منسلک افراد کے قول کے مطابق یہ کوئی جماعت نہیں بس دین کا کام ہے۔جیسے مسجد سے اذان ہوتی ہے۔تو لوگ اپنے کام چھوڑ کر مسجد میں آتے ہیں اور نماز پڑھ کر واپس اپنے کاموں کو لوٹ جاتے ہیں اسی طرح لوگ تبلیغ کے لیے کچھ وقت نکالتے ہیں اور پھر واپس اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔تبلیغی جماعت کا آغاز ۱۹۲۶ میں بستی نظام الدین سے ہوا۔

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس تھے۔آپ ۱۳۰۳ھ بمطابق ۱۸۸۵ کو پیدا ہوئے۔تاریخی نام اختر الیاس ہے۔(۲)

تبلیغی جماعت کی بنیاد کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ مسلمانوں کا دور حکمرانی مغلوں کی نا اہلی کی بنا پر ختم ہو چکا تھا۔۱۸۵۷ (۱۳۰۳ھ) کی جنگ آزادی بھی ابھی تک اپنے ثمرات نہ دکھا سکی تھی۔بلکہ اس وقت تک ناکامی اور مایوسی میں اضافے ہی پر منتج ہوئی تھی۔مولانا محمد الیاس نے ۱۸۸۵ء میں اس دنیا میں آنکھ کھولی تو انگریز کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔آپ کے عنفوان شباب کا دور دورہ تھا جب جنگ عظیم اول ہوئی۔جس کے اختتام پر ہندوستان پر انگریز کا قبضہ اور مضبوط ہو گیا۔مسلمان نہایت جوش وخروش سے تحریک خلافت چلا کر ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔مسلمانوں میں پائی جانے والی مایوسی انگریز سے مرعوبیت میں تبدیل ہونا شروع ہو چکی تھی۔اس پر مستزاد یہ کہ مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق، ہندوؤں نے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے

شدھی کی تحریک شروع کر دی۔ اس تحریک کے اہداف میں وہ قومیں اور علاقے زیادہ اہم تھے۔جس کے افراد دین اور دینی تعلیم سے بہت کم واقف تھے۔اس لیے میوات کے علاقہ اور میو قوم میں ارتداد کا بہت زیادہ خطرہ تھا۔اس خطرے اور فتنے سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کی تبلیغی جماعتیں قائم ہوئیں۔

یہ جماعتیں وفود کی شکل میں ان علاقوں میں جاتیں جو خاص طور سے ارتداد کی زد میں تھے۔مثلاً اضلاع آگرہ، بھرت پور متھرہ، علی گڑھ، مین پوری، ایٹہ، اٹاوہ، گڑگاؤں اور الور وغیرہ۔شدھی کے فتنے کے سد باب کے لیے ہر علاقے کے مسلمان اپنے اپنے طور پر کوشش کرتے رہے اور مسلمانوں کی کوششوں کے اچھے نتائج بھی برآمد ہوئے۔

مولانا الیاس سمجھتے تھے کہ علماء کا مختلف علاقوں میں جا کر لوگوں کو جمع کر کے وعظ و تلقین کر دینا یا دینی مدارس قائم کر دینا کافی نہیں لیکن کوئی صورت سمجھ نہ آئی۔رواجی طریقوں کا تجربہ کر چکے تھے۔(۳) اسی دوران مولانا الیاس کو تبلیغ کی ایک نئی شکل کا علم ہوا۔فیروز پور نمک کے کچھ افراد نے بتایا کہ وہ لوگوں کو جمع نہیں کرتے بلکہ اہل محلہ میں سے کچھ لوگ گھر گھر جا کر اہل محلہ سے ملتے ہیں اور انہیں نماز کے لیے لاتے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ حضرت ہم گشت کر کے لوگوں کو نماز کے لیے لاتے ہیں حضرت جی نے جب گشت کا نام سنا تو ساؤنٹے سے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا گشت کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم جماعت بنا کر لوگوں کے پاس جاتے ہیں۔نماز کی ترغیب دیتے ہیں اور مسجد کو لاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے فرمایا تمہارے گشت کو ہم ضرور دیکھیں گے۔(ہم نے) مغرب کے بعد گشت کیا، حضرت ساتھ ساتھ پھرتے رہیں۔حضرت بہت خوش ہوئے۔(۴) مولانا نے اس طریقہ تبلیغ میں کچھ اصلاحات تجویز کیں۔اور اسے فیروز پور کے علاقے سے نکال کر پورے میوات میں پھیلانے کی کوشش کی۔

۱۳ جولائی ۱۹۴۳ کو مولانا الیاس کا انتقال ہو گیا۔ اور مولانا محمد یوسف کی جانشینی عمل میں لائی گئی۔

جانشینی سے پہلے مولانا یوسف کو تبلیغی کام سے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی۔ اس عدم مناسبت یا برائے نام تعلق کو مولانا الیاس ناپسند کرتے تھے اور بعض دفعہ سختی کر کے حکماً مولانا کو میوات بھیجتے تھے۔

مولانا نے کام کو وسعت دینے کی منظم اور بھرپور کوششیں کیں۔ آپ نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ پاکستان کے تبلیغی مرکز رائیونڈ کے اردگرد میواتیوں کو آباد کیا۔ اس وقت بھی بہت سے دیہاتوں میں بڑی تعداد میں میواتی موجود ہیں۔(۶) ان اقدامات کی بنا پر آپ کے دور میں تبلیغی جماعت ایک منظم تحریک بن گئی۔

آپ اپنے والد کے مشن کو آگے بڑھانے کا حق ادا کرتے ہوئے ۲ اپریل ۱۹۶۵ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کے صاحبزادے ہارون کو (جن کی عمر اس وقت پچیس چھبیس سال تھی) آپ کا جانشین مقرر کیا گیا۔ لیکن وہ مولانا کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔ مولانا یوسف کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد مولانا زکریا نے مولانا انعام الحسن کا بطور امیر تقرر کیا۔ اور وہ تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر قرار پائے۔(۷)

تبلیغی جماعت میں سب سے طویل امارت مولانا انعام الحسن کا تھا۔ ابتدائی سترہ، اٹھارہ سال مولانا الیاس نے امارت کے فرائض انجام دیئے۔ ۲۱ سال یہ ذمہ داری مولانا یوسف کے پاس رہی اس کے بعد ۱۹۶۵ تا ۱۹۹۵، تیس سال کا عرصہ مولانا انعام الحسن کا دور امارت تھا۔ آپ ابتداء ہی سے کم آمیز اور قلیل الکلام تھے۔ اور یہ کیفیت آپ کے دور امارت میں بھی قائم رہی۔

آپ کی وفات کے بعد تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کا اجتماع بستی نظام الدین (مرکز) میں ہوا ان بزرگوں کی کوشش تھی کہ امارت کا منصب کاندھلہ کے خاندان میں ہی

رہے۔(۸) ایسے فرد کو امیر جماعت بنایا جائے جو بانی جماعت سے تربیت و استفادہ یافتہ ہو۔ ان سے عزیزانہ اور رفیقانہ تعلق ہو، علم، وزن اور وقار کا حامل ہو، لیکن یہ صفات کسی بھی فرد میں نظر نہیں آتی تھی۔(۹) لہٰذا کسی فرد کو بھی جماعت کا امیر نہیں بنایا گیا۔

مولانا انعام الحسن کی وفات کے (۱۹۹۵) کے بعد نامور علماء کرام نے متفقہ طور پر مولانا زبیر الحسن کاندھلوی کو امیر منتخب کر لیا۔ لیکن میوات والے مولانا محمد سعد کاندھلوی کی امارت پر اصرار کرتے رہے۔ یہ صورتحال دیکھ کر علماء نے نظام امارت کو تحلیل کر کے شورائی نظام بنایا جس میں بھارت سے مولانا محمد سعد کاندھلوی اور مولانا زبیر الحسن کاندھلوی اور پاکستان سے عبدالوہاب صاحب کو منتخب کیا گیا (ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے، راقم کو نئے منتخب ہونے والے امیر کا علم نہیں)۔ اس طرح تبلیغی جماعت میں شورائی نظام کی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد سے تبلیغ کے وفود (جماعتوں) میں جو امیر بنائے جاتے ہیں ان کو بھی امیر کے بجائے ذمہ دار کہا جاتا ہے۔

دعوت اسلامی کا پس منظر:

مولانا محمد الیاس عطار قادری نے ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۱ معاشرے میں نیکی کی دعوت کو عام کرنے اور امت مسلمہ کے اندر عشق مصطفی ﷺ بیدار کرنے کیلئے ایک غیر سیاسی تحریک دعوت اسلامی کی بنیاد رکھی اور اس دینی تحریک کے ذریعے لاکھوں مسلمانوں خاص طور پر نوجوان مردوں اور عورتوں کے اندر ایک اسلامی جذبہ پیدا کر دیا۔ علامہ الیاس عطار قادری نے اپنے تحریکی ڈھانچے کو ایسے انداز میں ترتیب دیا کہ یہ تحریک تھوڑے عرصے میں کراچی سے نکل کر دنیا بھر میں مقبول ہوگئی۔ اب تک اس دینی تحریک کا کام دنیا کے کم وبیش ۲۰۰ ممالک میں ہو رہا ہے۔ آج دعوت اسلامی ۹۵ سے زائد شعبہ جات میں دین کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔

محمد الیاس عطار قادری رضوی کی ولادت مبارکہ ۲۶ رَمَضانُ المبارَک ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۹۵۰ء میں پاکستان کے مشہور شہر باب المدینہ کراچی میں ہوئی۔(۱۰)

دعوت اسلامی کی بنیاد کے پس منظر میں درج ذیل وجوہات شامل ہیں۔

۱۔امت مسلمہ کی دین سے دوری:

خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کا بین الاقوامی سطح پر معیار گر گیا۔مسلمان کومزید دین اسلام سے دور کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ ذلت اور رسوائی مسلمانوں کا مقدر بن جائے، گناہوں کے ارتکاب میں دلیر ہوجائیں جیسا کہ مجلس المدینۃ العلمیہ نے ذکر کیا۔علم دین کی دولت سے محرومی کی بناء پر ان کارناموں کوسرانجام دیتے وقت یہ بھی خیال نہیں کیا جاتا کہ یہ گناہ اوجہنم میں لے جانے والے کام ہے بیوقوفانہ جملوں کو دلیل بنا کر ان گناہوں کا ارتکاب اس قدر بے باکی اور دلیری سے کیا جاتا ہے کہ الامان والحفیظ۔(۱۱)

۲۔فرائض سے غفلت:

جب علامہ الیاس عطار قادری نے دعوت اسلامی کی بنیاد ڈالی تو اس وقت امت مسلمہ زوال کا شکار تھی ۔اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے فرائض سے غفلت بھرتی، اپنے اخلاقی اور معاشرتی اصولوں کو چھوڑ دیا۔جھوٹ، غیبت، چغلی، حسد، تکبر، ریاء، اور رشوت کا مسلمان شکار ہو گئے۔اپنی ذمہ داری کا احساس تک نہ رہا۔

حبیب اللہ چشتی اپنی کتاب امت مسلمہ کا عروج وزوال میں جو لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کا ایمان سے تعلق محض رسمی رہ گیا۔فرقہ پرستی نے مسلمانوں کو اصل دین سے بے بہرہ کر دیا۔جہالت کی وجہ سے مسلمان طرح طرح کے فتن میں مبتلا ہو گئے۔اخلاق عالیہ نام تک کی کوئی چیز نہ رہی۔امت مسلمہ کا خاص وصف امر بالمعروف مفقود ہو گیا۔قوم کی خیرخواہی کرنے والے اہل خیر کا خاتمہ ہو گیا اور اشرافیہ کا بگاڑ اپنی حد کو کراس کر گیا۔(۱۲)

۳۔اتباع سنت سے روگردانی:

علامہ محمد الیاس عطار قادری نے جب دیکھا کہ مسلمان سنت مصطفیٰ سے دور ہو چکا ہے انگریزی فیشن سے اس کو الفت ہوگئی ہے۔ دعویٰ تو محبت رسول کا کرتا ہے مگر اس کا عمل اس کی تائید نہیں کرتا بلکہ اس کا عمل دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے اور دور ہو جاتے ہیں۔ آپ نے مسلمانوں کو سنت مصطفیٰ کی محبت پلانے اور اس پر عمل کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے دعوت اسلامی جیسا اچھا ماحول قائم کیا۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (۱۳)

''تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا۔''

آپ نے فیضان سنت قدیم میں حالات کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''آہ صد آہ پہلے تو مسلمانوں کو کفار ظلم وستم کا نشانہ بناتے تھے اب خود مسلمان کہلانے والے اپنی اولاد کو بالجبر سنتوں سے دور رکھتے ہیں اور سنتوں پر عمل کرنے پر طرح طرح کی سزائیں دیتے ہیں۔'' (۱۴)

۴۔عشق رسول کی کمی:

محبت رسول متاع ایمان ہے اس میں اگر کمی آجائے پھر ایمان بھی نامکمل ہو جاتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں گناہوں کی طرف زور بڑھنے لگا۔ مسلمان انگریزی طور طریقے اپنانے لگے۔ محبت دنیا چھانے لگی اور ظاہر ہے جب خدا و رسول کی نافرمانیاں بڑھ رہی ہوں تو ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ مجلس المدینۃ العلمیہ نے حالات کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے:

''افسوس صد افسوس کہ آج مسلمانوں کی اکثریت بے عملی کا شکار ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) جہنم کے گڑھے میں چھلانگ لگانے کیلئے پوری رفتار سے بھاگی چلی جارہی ہے۔'' (۱۵)

۵۔امت مسلمہ کا اخلاقی بگاڑ:

ایک وقت تھا کہ مسلمان اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھے کہ ان کے کردار اور گفتار کو دیکھ کر کفار اسلام قبول کر لیتے تھے مگر اس وقت حالات برعکس ہیں۔اب مسلمانوں کا کردار انتہائی شرمناک ہے،اچھا اخلاق کمیاب ہے،حیاء جو کہ جزو ایمان ہے،کہیں کہیں نظر آتا ہے۔جدید میڈیا نے حیا سوز مناظر دکھا کر مسلمانوں کا جذبہ غیرت ٹھنڈا کر دیا ہے ریڈیو، ٹی وی کے مختلف چینلز اور متعدد اخبارات و رسائل بے حیائی کو فروغ دینے میں مصروف ہیں جس کی بنا پر ہمارا معاشرہ تیزی سے فحاشی عریانی اور بے حیائی کی آگ کی لپیٹ میں آتا جا رہا ہے۔جس کے سبب خاص کر نئی نسل اخلاقی بے راہ روی اور شدید بدعملی کا شکار ہوتی جا رہی ہے

تبلیغی جماعت کے اثرات:

تبلیغی جماعت نے بھی اپنی دعوتی سرگرمیوں کی بنا پر لوگوں پر اثرات ڈالے ہیں۔یہ اثرات نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔درج ذیل سطور میں مختصر مگر جامع الفاظ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

جماعتوں کے ذریعے اثرات:

۱۔ تبلیغی جماعت کی دعوتی حکمت عملی میں اپنے ماحول سے کٹ کر کچھ وقت لگانا لازمی ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ باہر نکلنا تبلیغی جماعت کے طریقے کار کی جان ہے۔(۱۶)

۲۔ جماعتوں کے نتیجے میں جو فرد بیان/تعلیم میں باقاعدگی سے شریک ہونا شروع ہو جائے تو اسے جماعت سے مضبوطی کے ساتھ جوڑنے اور اسے جماعت کا حصہ ہونے کا احساس دلانے کی غرض سے مذکورہ بالا دعوت دینے کو کہا جاتا ہے۔

۳۔ فرد تعلیم یا بیان میں شریک ہوتا ہے تو اس مسجد کے کارکنان تبلیغی جماعت اس سے قریبی ربط کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ وہ تعلیم اور بیان میں باقاعدگی سے شرکت شروع کر

دیں پھر اس شخص کے شوق اور دلچسپی کو دیکھتے فوراً ہی یا کچھ دنوں بعد علاقائی مرکز میں ہونے والے شب جمعہ کے اجتماع میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ پھر اس مسجد یا کسی قریبی مسجد میں آنے والی جماعت کی سرگرمیوں میں حسب موقع اسے شریک کیا جاتا ہے۔ اس دوران یہ بات اس کے دل میں جاں گزیں کرائی جاتی ہے کہ ہر کام اللہ سے ہونے کا یقین اور اللہ کے سوا کچھ نہ ہونے کا یقین پیدا ہونا ضروری ہے لہذا ہر ضرورت کی تکمیل کے لیے اللہ سے دعا کرنی چاہیے دوسری بات یہ ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ یہ طریق دعوت انبیاء کا طریقہ ہے۔ انبیاء نے اسی طرح ہی دعوت کا کام کیا۔ اس لیے جدید ذرائع و وسائل کے کم سے کم استعمال پر زور دیا جاتا ہے پیدل جماعتوں کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ اور ایک تعلیم میں بیٹھیں، گشت پر جائے یا وقت لگانے کے لیے نکلے۔ اس کی اتنی برکت وفضلیت ہے کہ فرشتے قدموں میں پر بچھاتے ہیں سروں پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں اور اس راہ میں نکلنے سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

۴۔ بات یہ سمجھائی جاتی ہے کہ دین کی اصل سمجھ اپنے گھر اور اہل وعیال کے درمیان رہتے ہوئے پیدا نہیں ہوسکتی اس کے لیے دین کی راہ میں نکلنا ضروری ہے اس لیے اپنی مسجد کے بیان یا مقامی گشت یا آئی جماعت کی نصرت یا شب جمعہ کے اجتماع میں شرکت کر لینے سے دین سمجھ میں نہیں آسکتا اگر کوئی فرد ابتدائی طور پر کچھ دنوں کے لیے نکلنے کے لیے تیار نہ ہو تو کوشش کی جاتی ہے کہ وہ کم از کم اس پر تیار ہوجائے کہ شب جمعہ کے اجتماع میں شرکت کر کے رات کو واپس نہ آجائے بلکہ رات وہی گزارے اور نماز یں فجر کو واپس لوٹے۔ اس دوراں کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ کم از کم سہ روزہ کے لیے تیار ہوجائے اس کی ترغیب کے ضمن ہی میں یہ بتایا جاتا ہے کہ دین کی راہ میں نکلنے کے زمانے میں ایک نیکی کا اجر انچاس کروڑ نیکیوں کے برابر ملتا ہے اور گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

۵۔ دلچسپی پیدا کرنے کے حوالے سے بعض پر کشش اور ہم قافیہ جملے بھی استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً زندگی مال سے نہیں اعمال سے بنتی ہے لوگوں نے اسباب کو ارباب کا درجہ دے دیا

ہے وغیرہ۔غرض ہر طرح سے کوشش کر کے لوگوں کو گھر سے نکلنے اور جماعت کے ساتھ وقت لگانے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔اور جب ایک فرد سہ روزہ کے لیے نکل جاتا ہے تو پھر کوشش کی جاتی ہے کہ وہ چلہ لگانے پر آمادہ ہو جائے چلہ لگانے پر وقت کے پورے نصاب کی ترغیب دی جاتی ہے۔ یہ نصاب اس طرح سے ہے۔

چلوں کے اثرات:

ہر مہینے تین دن پابندی کے ساتھ لگانے ہوتے ہیں اس میں کوشش کی جاتی ہیں کے پرانے احباب کچھ نئے ساتھیوں کو لے کر اپنے بستی کی قرب و جوار کے علاقے میں جائے کسی مسجد میں قیام کریں اور وہاں تین رہ کر کام کرے۔اس کو پہلے پنج کوس کہا جاتا تھا۔یعنی اپنے محلے سے پانچ کوس یا پانچ میل کی حدود میں رہتے ہوئے کام کرنا۔

تبلیغی جماعت سے وابستہ افراد اور ذمہ دران کی گفتگو اور ترغیب سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی راہ میں نکلنے اور وقت لگانے اصل مطلب کم از کم چلہ لگانا ہے۔باقی امور یا تو چلے کی تمہید ہیں یا چلے کی یاددہانیاں، چلے سے پہلے لگائے جانے والے سہ روزے یا گشت، بیان اور شب جمعہ میں شرکت ایک فرد کو چلے کے لیے تیا کرنے کا سامان ہیں۔چلہ سلانہ بنیاد پر ہوتا ہے اور چلے کے بعد دوران سال میں تمام کام چلے کے عمل کو ذہن نشین رکھنے کے ذرائع ہیں۔

سہ روزے کی ایک اعلیٰ شکل بیک وقت تین سے روزے (دس دن) ہیں اور چلے کی بہترین قسم چار مہینے (بیک وقت تین چلے) ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب کوئی فرد تبلیغی جماعت کے کام کو سمجھنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو اس سے چلے لگانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔کہ یہ وہ کم سے کم نصاب ہیں کہ جس سے کام کو سمجھا جا سکتا ہے اور اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا چلہ لگانے سے پورا کام سمجھ میں آجائے گا تو کہا جاتا ہے اس کے لیے چار مہینے لگانے ہوں گے۔اس کی اہمیت کی وجہ ہی سے مقامی تبلیغی جماعتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وع سہ روزہ لگانے والوں کو چلہ اور سہ چلوں کے

لیے تیار کریں عوام کے لیے زندگی میں کم از کم ایک دفعہ تین چلے بیک وقت اور علماء کے لیے زندگی میں کم از کم سات چلے بیک وقت لگانا بھی لازمی تقاضوں میں سے ہے۔

وقت لگانے کا مقصد اپنی اصلاح اور دوسروں کے لیے اطلاع ہے۔ جو افراد بھی وقت لگاتے ہیں خوہ سہ روزہ ہی کیوں نہ ہو، ان کا مکمل ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ مرکز میں مساجد کا ریکارڈ بھی رکھا جاتا ہے کہ کن مساجد میں استقبال کیا جائے گا، کن میں مزاحمت ہوگی، ان مساجد کے ذمہ دار کون ہیں۔ وغیرہ جب فرد جماعت کے ساتھ نکلا ہوا ہوتو اسے چند امور پیش نظر رکھتے ہوتے ہیں۔

۱۔ چار امور ہر وقت پیش نظر رکھے جارہیں ہیں۔

۲۔ چار اعمال کم کرنے کی ترغیب دی جارہی ہیں۔

۳۔ چار باتوں سے اجتناب ہورہا ہے۔

چار امور جو ہر وقت پیش نظر رہنے رہتے اوران پر عمل کی کوشش ہورہی ہے۔ اس میں یہ ہدف رہنا چاہیے کہ ہر فرد داعی بن سکے۔ اس میں دو قسم کی دعوت ہے۔

فضائل اعمال کی تعلیم کے اثرات:

ہر مسجد اور گھر میں فضائل اعمال سے تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر تبلیغی جماعت والے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اپنے گھر اور مسجد میں فضائل اعمال سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے۔ مناسب اوقات میں جماعت والے یا فرد واحد تبلیغ کے لیے فضائل اعمال کو زادہ راہ سمجھتا ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد پھر تعلیم ہوتی ہے جس میں فضائل اعمال میں سے حکایت صحابہ کے حصہ سے کسی صحابی کا واقعہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کے بعد مقامی ساتھیوں سے بات چیت ہوتی ہیں۔ جسے اختلاط کرنا کہا جاتا ہے۔ اس میں مقامی لوگوں کو فرداً فرداً دعوت دے کر اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اوراس کے خاطر خوہ فوائد جماعتوں میں نکلنے والے افراد کی زیادتی کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

تبلیغی مراکز سے وابستگی کے اثرات:

یہ بات صحیح ہے کہ نکلنے کا عمل تبلیغی جماعت کے طریق دعوت اور طریق تربیت کی جان ہے۔ البتہ اس حوالے سے تبلیغی مراکز سے گہری وابستگی اور اس کی ترغیب کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سہ روزوں کے لیے تشکیل ہو یا سال کے لیے، تشکیل کے تناسب سے ایک مناسب مدت مرکز میں گزارنا ضروری ہے۔ باہر نکلنے کے زمانے میں بھی اپنی کارگزاری سے مرکز کو مطلع کرتے رہنا اور نکلنے کے دوران میں مرکز کی ہدایت ہر وقت سامنے رکھنا بھی لازمی ہے۔ خود مولانا الیاس نے تبلیغی مراکز کی طرف رجوع کو تبلیغی کام کا بہت گہرا قاعدہ قرار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا الیاس کی نظر میں تبلیغ شریعت، طریقت، حقیقت، تینوں کی جامع اور اس نازک زمانے میں ان کا سیکھنا آسان کام نہیں اور لوگ مرکز میں وقت لگا کر ان کاموں کو سیکھ کر اپنی زندگیوں کو اسلام کے مطابق بنا رہے ہیں۔(۳)

جلسے اور اجتماعات کے اثرات:

تبلیغی جماعت کے طریق دعوت کی خاص بات اس کے جلسے اور اجتماعات ہیں۔ ان کے انعقاد کا اہتمام تبلیغی جماعت میں بلکل ابتدا ہی سے ہوتا رہا ہے۔ پہلا بڑا جلسہ ۱۹۴۱ میں نوح میں ہوا تھا۔ ان جلسوں کے انتظامات بڑے منظم طریقے سے کیے جاتے ہیں۔ بڑی تعداد میں رضا کار بہت پہلے سے اس کے انتظامات کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ لوگوں کو ہر ممکن طریقے سے کیے جاتے ہیں بڑی تعداد میں رضا کا بہت پہلے سے اس کے انتظامات کے لیے پہنچ جاتے ہیں، لوگوں کو ہر ممکن طریقے سے اس کی جانب متوجہ کیا جاتا ہے، جلسہ کے مقام ہر کثرت سے جماعتیں بھیجی جاتی ہیں۔ تا کہ اس کی اطلاع ہر ایک کو ہو جائے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی بھی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی بھاگ دوڑ ہوئی، انتظامات ہوتے ہوئے یا تشہیر کا سامان نظر نہ آئے۔

جلسہ سے پہلے جماعتوں کی روانگی کے ذریعہ سے جلسہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، جلسہ کے اثرات کو جماعتیں نکالنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جماعتیں تشکیل دینے کے عمل سے موثر افراد کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جماعتیں نکال کر نکلنے والوں کی تربیت اور عام افراد تک دعوت کا کام کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ تمام کام ایک دوسرے سے مربوط ہیں اس لیے ہر کام اوران کے ہر پہلو پر توجہ رکھی جاتی ہے۔(۴)

خطاب ختم ہونے پر مطالبے شروع ہوجاتے۔لوگ سینکڑوں نام جو پہلے آ چکے ہوتے وہ لکھے جانے لگتے۔ نئے لوگ کھڑے ہوکر اپنا اپنا نام لکھواتے جاتے ہیں۔

مستورات کی تبلیغ کے اثرات:

مردوں کی طرح عورتوں میں بھی تعلیم، بیان، رائے ونڈ کا قیام اور نکلنے کا عمل ہوتا ہے۔عورتوں کی تعلیم کا یہ ہے کہ گھر کا ماحول ٹھیک ہورہا ہے۔مسجد والا ماحول گھر میں بھی بن رہا ہے بچوں کا ذہن بن رہا ہے۔مردوں والی فکر مستورات میں آرہی ہے۔مرد آسانی سے نکل اب جماعتوں میں نکل رہے ہیں۔مستورات میں اعمال کا شوق پیدا ہورہا ہے۔

جماعتوں میں جانے والی خواتین پر کچھ اس طرح اثرات ہیں گھر کی تعلیم کررہی ہیں۔سہ روزہ کے لیے نکل رہی ہے۔ پندرہ دن لگانے کے بعد ہر سال تین چار سہ روزہ لگانے کے لیے تیار ہورہی ہے۔شادی کے بعد بھی خواتین بآسانی تبلیغی جماعت میں دل کھول کر وقت دے رہی ہیں۔ساتھ جانے والے محرم وہ شرائط پوری کرتے ہوں جو بیرون ملک جانے والی جماعتوں میں شرکت کے لیے ہیں۔ ہمہ وقتی کارکنان بن رہی ہیں۔

میڈیا کے ذریعے دعوتی اثرات:

عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید میڈیا کے ذریعے دعوت وتبلیغ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ تبلیغی جماعت میں ان جدید ذرائع ابلاغ سے خاطر خواہ

استفادہ نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں بھی اس کی کوئی اپنی ویب سائٹ نہیں اور نہ ہی ٹی وی چینل ہے۔ البتہ اب ان کے مبلغین اپنے طور پر انٹرنیٹ، ریڈیو، ٹی وی پر بیانات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جیسے کہ مولانا طارق جمیل رمضان میں پی ٹی وی چینل پر مختلف موضوعات پر بیانات کا سلسلہ کرتے نظر آئے ہے۔ اور اب انٹرنیٹ پر اب انہوں نے اپنی ایک ویب سائٹ بھی لانچ کی ہے جس کا نام الحق ڈاٹ کام ہے۔ اسی طرح مولانا جنید جمشید مختلف ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ پر نعتیں اور اصلاحی بیانات کے دعوتی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف بلاگز کے ذریعے کچھ نہ کچھ تبلیغی نصاب کے حوالے سے، تاریخ تبلیغی جماعت کے حوالے سے، تحریریں اور آڈیو، ویڈیو تبلیغی بیانات مل جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں مذکورہ بالا میڈیا کے ذریعے تبلیغ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ عصر حاضر میں تبلیغی ودعوتی سرگرمیوں کے لیے میڈیا کا استعمال ناگزیر ہے۔

مؤثر افراد کے ذریعے دعوت کے اثرات:

تبلیغی جماعت کی یہ کوشش رہی ہے کہ معاشرے کے با اثر افراد کو اپنی تبلیغی و دعوتی سرگرمیوں میں شامل کیا جائے۔ چاہے ان افراد کا تعلق زندگی کے کسی شعبہ سے بھی ہو۔ چاہے وہ سیاستدان ہو، حکمران ہو، چاہے اس کا تعلق شوبز سے ہو، چاہے کھیل کے میدان سے تعلق رکھے۔ الغرض کوئی بھی با اثر فرد ہو اس کو تبلیغی جماعت میں لانے کی سرتوڑ کوشش کی جاتی ہے۔ جب کوئی با اثر فرد تبلیغی میں شامل ہو جاتا ہے، تو اسے تبلیغی کاموں کے لیے بھرپور انداز میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے دیگر با اثر افراد کو تبلیغی جماعت کے قریب کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس طرح کی محنت سے بہت سارے با اثر افراد تبلیغی جماعت کا حصہ بن رہے ہیں۔ اور شب وروز تبلیغی کاموں کی محنت میں شریک ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں میں شوبز، کرکٹ، تاجر، سیاسی، ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔

دعوت اسلامی کے اثرات:

دعوت اسلامی کی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کے اثرات نہ صرف برصغیر میں بلکہ پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔دعوت اسلامی نے دنیا کے ہر طبقہ کے افراد کو اپنے مخصوص انداز اور طریقہ ہائے دعوت سے متاثر کیا ہے۔دعوت اسلامی کا مدنی کام پاکستان ، بھارت ، بنگلہ دیش،سری لنکا،کوریا،دبئی،عرب امارات،کویت،امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی، افریقہ، کینیڈا،سعودی عرب سمیت دنیا کے تقریباً ۲۰۰ سے زائد ممالک میں ہو رہا ہے۔پاکستان کے بعد دعوت اسلامی کا دعوتی و تبلیغی کام بھارت میں ہو رہا ہے۔دعوت اسلامی ایک پرامن غیر سیاسی مذہبی تحریک ہے۔

میڈیا کے ذریعے اثرات:

فی زمانہ میڈیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔الیکٹرانک میڈیا،اور پرنٹ میڈیا۔ الیکٹرانک میڈیا میں ٹی وی،سی ڈی،کمپیوٹر،ٹیبلٹ،موبائل فون،انٹرنیٹ وغیرہ شامل ہیں۔جبکہ پرنٹ میڈیا میں کتب،رسائل، پمفلٹ،سرکولرز اور خطوط وغیرہ شامل ہیں۔

دعوت اسلامی ان سب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے ہوئے، پوری دنیا میں لوگوں کی زندگیوں پر خاصے مثبت اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔اور دعوت اسلامی کے مدنی ماحول کے ساتھ منسلک ہو رہے ہیں۔

میڈیا کے ذریعے دعوت اسلامی کے اثرات:

۱۔ دعوت اسلامی کی وجہ سے میڈیا کا صحیح اور اسلامی استعمال پوری دنیا میں عام ہو رہا ہے۔

۲۔ دینی معلومات اور تعلیمات خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو،عوام کے ایک بٹن دبانے، یا ایک میسج کرنے، یا گھر میں موجود انٹرنیٹ استعمال کر کے،ایک فون کال کر کے، یا سستی اور معیاری تحقیق شدہ کتب پڑھ کر حاصل کی جا سکتی ہیں۔اس سے ہر عام وخاص دنیا میں ہر جگہ مستفید ہو رہا ہے۔

۳۔ میڈیا کے ذریعے دعوت اسلامی اپنے دیگر شعبہ جات کا تعارف کرواتی ہے۔اورلوگ جوق در جوق ان شعبہ جات کی بدولت دعوت اسلامی کے ماحول کو اپنا رہے ہیں۔

۴۔ میڈیا کے ذریعے فحاشی وعریانی کا قلع قمع کرنے کے لیے مختلف پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔مدنی چینل ہو یا دعوت اسلامی کی ویب سائٹ ہو یا کوئی رسالہ یا کتاب ہو تمام تر کمرشل اشتہارات سے منزہ ہوتے ہیں۔خاص کر مدنی چینل پر عورت کے وجود کے نہ ہونے کے باوجود عوام وخواص کے قلوب و اذہان پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔مدنی چینل واحد اسلامی چینل ہے جس کو پوری دنیا میں بہت شوق سے دیکھا جاتا ہے۔

۵۔ دعوت اسلامی کے لٹریچر کی ایک خاص خوبی یہ ہے۔کہ کتب ورسائل کے پرکشش اور پرحیرت اسماء قاری کو متاثر کرتے ہے۔جن کی بدولت قاری تجسس کے ساتھ ان کتب سے استفادہ کرتا ہے۔اور روحانی واخلاقی فکر کو اختیار کرتے ہوئے دعوت اسلامی کے قریب ہو جاتا ہے۔

مدنی قافلوں کے اثرات:

مدنی قافلوں کی بدولت ہونے والے اثرات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دینی عقائد کو من وعن جاننے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

۲۔ عبادات کا شعور اور عین اسلامی احکام کے مطابق ادائیگی کا شوق اور ذوق بیدار ہوا ہے۔

۳۔ مدنی قافلوں کی وجہ سے دعوت اسلامی کے مخصوص اسلامی کلچر ممالک میں موجود دیگر تہذیب وتمدن کو بڑی حد تک تبدیل کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ عوام کے رابطے اور دعوت اسلامی کے تشخص کا اظہار بہترین طریقے سے فروغ پا رہا ہے۔

۴۔ غیر مسلموں کے دامن اسلام میں آنے کے واقعات دعوت اسلامی کے لٹریچر میں عام ہیں۔غیر مسلموں کے اسلام میں آنے کے دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ ایک بڑا ذریعہ دعوت اسلامی کے مدنی قافلے ہیں۔جو اندرون وبیرون ممالک میں سارا سال سفر کرتے رہتے ہیں۔

۵۔ مدنی قافلوں میں سنتیں سیکھنے سکھانے پر بہت زور دیا جاتا ہے، جس کی بدولت سنتوں سے محبت اوران پرعمل کا جذبہ بیدار ہوا ہے۔

۶۔ درس و بیان کے طریقے سکھائے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے مبلغین و معلمین دعوت اسلامی بن کر دین متین کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

۷۔ مدنی قافلوں میں ہر کام کرنے سے پہلے اچھی اچھی نیتوں کا درس دیا جاتا ہے، جس کی بدولت اخلاص نیت بیدار ہوا ہے۔

۸۔ دعوت اسلامی کے مدنی قافلوں کا ہدف ہر طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ چاہے ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شوبز، کرکٹرز، آرٹسٹ، تاجر، سیاستدان، وکلاء، ڈاکٹرز، بیوروکریٹس، انتظامی لوگ، ڈرائیورز اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے بڑی تعداد میں دعوت اسلامی کے ساتھ منسلک ہو گئے ہیں۔ دعوت اسلامی کے لٹریچر میں ان کے دعوت اسلامی کے ساتھ قریب ہونے اور بعدازاں منسلک ہونے کے واقعات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

۹۔ اخلاقی طور پر اخلاق باختہ لوگ مہذب اخلاق سے مزین ہوئے جا رہے ہیں۔

۱۰۔ جسمانی بیماریوں سے عافیت کے نتیجے میں دینی جذبہ موجزن کرنے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

۱۱۔ مدنی قافلوں کی بدولت چڑ چڑا پن، گالی گلوچ، سگریٹ نوشی، گانے باجے سننے والے، شرابی اور نشئی، اور دیگر آلائشوں میں اٹے لوگ نہ صرف راہ راست پر آ رہے ہیں، بلکہ دوسروں کی اصلاح کا سبب بھی بن رہے ہیں۔

تعویذات عطاریہ کے اثرات:

ماہانہ کم وبیش ۲۵۰۰۰ مریض اور اُنکے نمائندے فیضیاب ہوتے ہیں جنہیں لاکھ سے زائد تعویذات واورادِ عطاریہ فی سبیل اللہ پیش کئے جاتے ہیں۔ یوں سالانہ کم و بیشتر پریشان حالوں کو تعویذات واورادِ عطاریہ فی سبیل اللہ پیش کئے جاتے ہیں۔(۱۷)

۲۔ پاکستان بھر میں ۸۱ مقامات پر اسلامی بہنوں کے ہفتہ وار بستے بھی لگتے ہیں جن پر تعویذات دینے اور لینے والی صرف اسلامی بہنیں ہی ہوتی ہیں۔ان بستوں پر ماہانہ ہزاروں اسلامی بہنیں فیض یاب ہوتی ہیں۔

۳۔ امیر اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ اور مجلس کو ماہانہ بے شمار مکتوبات و رقعات اور ای میلز موصول ہوتی ہیں۔کم وبیش ۷۰۰۰۰ اسلامی بھائیوں اور بہنوں کو بائی ہینڈ، بائی نیٹ اور بائی پوسٹ مکتوبات کی سہولت کے ساتھ انکے مسائل کے حل کے ساتھ روانہ کئے جاتے ہیں۔

۴۔ روزانہ پوری دنیا سے فون لائنز پر استخارہ کروانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے اور ماہانہ کم وبیش ۵۰۰۰۰ کے قریب اسلامی بھائی اس سروس پر رابطہ کرتے ہیں۔اوقات: روزانہ صبح ۹ سے اگلے دن صبح ۵ بجے تک (مسلسل ۲۰ گھنٹے) ہاتھوں ہاتھ استخارہ اس نمبر پر کیا جاتا ہے۔

۵۔ ایک ہفتے میں ۳ دن مدنی چینل پر روحانی علاج و استخارہ نامی سلسلہ براہِ راست نشر ہوتا ہے۔

مدنی انعامات کے اثرات:

مَدَنی انعامات کے ذَرِیعے مولانا محمد الیاس عطار ایسے گناہوں سے بچنے کا مَدَنی ذہن عطا فرما رہے ہیں جو معاشرے میں عام ہیں اور جن کی طرف ہماری توجہ نہیں، مثلاً راز کی بات کی حفاظت کرنا، جھوٹ، غیبت، چغلی، حسد، تکبر، وعدہ خلافی، فلمیں ڈرامے، گانے باجے وغیرہ سے خود کو محفوظ رکھنا۔

مَدَنی انعامات کے ذَرِیعے مولانا محمد الیاس عطار نے اَخلاقی نِکھار پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ جیسے غُصَّہ آجانے پر چُپ سادھ کر درگزر سے کام لینا، جی کہنے کی عادت ڈالنا، دوسرے کی بات سننے کے بَجائے اس کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کرنے کی عادت نکالنا، تُو تُکار سے بچتے ہوئے آپ جناب سے گفتگو کی عادت ڈالنا، قَہقَہَہ لگانے سے گُریز کرنا،

فُضُول بات نکلنے پر اِستِغفار یا درود شریف پڑھنا، ہفتے میں کم از کم ایک مریض یا دُکھی کی گھر یا اسپتال جا کر غمخواری کرتے ہوئے تعویذاتِ عطاریہ کی ترغیب دلانا نیز گھر میں مَدَنی ماحول بنانے کے لئے ۱۹ مَدَنی پھول وغیرہ کے مطابق معمول بنانا۔

اسلامی بہنوں کی دعوت کے اثرات:

۱۔ دعوت اسلامی کے تحت اسلامی بہنوں کی مدنی تربیت کے لئے ہفتے میں ایک دن تربیتی حلقہ منعقد کیا جاتا ہے جس میں اسلامی بہنوں کو وضو، غسل، نماز، سنتیں، دُعائیں نیز عورتوں کے شرعی مسائل وغیرہ وغیرہ بی- اور اس کے ساتھ ساتھ درس و بیان کا طریقہ، دعوت اسلامی کی اصطلاحات اور دُرست تلفظ سکھائے جاتے ہیں جو کہ ذمہ دار اسلامی بہنوں کے لئے سیکھنا بہت ضروری ہے۔ نیز شجرہ عطاریہ کے اوراد و وظائف بھی یاد کروائے جاتے ہیں۔ اس کا دورانیہ اسلامی بہنوں کی سہولت کے مطابق رکھا گیا ہے صرف 2 گھنٹے۔(۱۸)

۲۔ تبلیغ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک "دعوتِ اسلامی" بھی اسی عظیم مدنی مقصد کی ایک کڑی ہے دعوتِ اسلامی دنیا کے تقریباً 195 مما لک میں مدنی کام کر رہی ہے جس کی برکت سے لاکھوں بے عمل مسلمان تائب ہو کر نا صرف خود باعمل، نمازی اور سنتوں کے پابند بن چکے ہیں بلکہ دعوتِ اسلامی کے مدنی کام میں عملاً شریک بھی ہیں۔

۳۔ شیخ طریقت امولانا محمد الیاس عطار نے نہ صرف خود امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے منع کرنے کا علم بلند فرمایا بلکہ تبلیغ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک "دعوتِ اسلامی" کی صورت میں بے شمار مبلغین کی کھیپ تیار کی جو اس وقت دنیا کے کئی مما لک میں ہر طرف شب و روز نیکی کی دعوت عام کرنے میں مصروف ہیں۔

۴۔ اسلامی بہنیں ہفتے کا کوئی ایک دن مقرر کر کے جگہ بدل بدل کر اول تا آخر "علاقائی دورہ برائے نیکی کی دعوت" کی سعادت حاصل کیجئے۔ اپنے ذیلی حلقے یا حلقے کے اطراف میں

(پردے کی احتیاط کے ساتھ) گھر گھر جا کر 30 منٹ "علاقائی دورہ برائے نیکی کی دعوت" کی ترکیب بنائیں۔اس کے بعد مقررہ وقت وجگہ پر مدنی مرکز کے دیئے ہوئے طریقہ کار کے مطابق علاقائی دورہ کا اجتماع کیجئے۔

۵۔ دعوت اسلامی کے تحت اسلامی بہنوں کے لئے مدرسۃ المدینہ (بالغات) کی ترکیب ہے جس میں اسلامی بہنوں کو دُرست قرآن پاک سیکھانے کے ساتھ ساتھ وضو، غسل، نماز، سنتیں، دُعائیں نیز عورتوں کے شرعی مسائل بھی سیکھائے جاتے ہیں اس کا دورانیہ بہت مختصر صرف ایک گھنٹہ 12 منٹ ہے اسلامی بہنوں سے مدنی التجاء ہے کہ آپ بھی مدرسۃ المدینہ بالغات میں پڑھنے کا ذہن بنائیں۔

مجلس خصوصی کے اثرات:

مجلس خصوصی اسلامی بھائی (برائے معذوروں) کی کاوشوں کے نتیجے میں آج پاکستان کے کئی شہروں میں دعوت اسلامی کے ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماعات میں خصوصی اسلامی بھائیوں کے حلقے لگتے ہیں۔ بڑی راتوں میں ہونے والے سنتوں بھرے اجتماعات اور رمضان المبارک کے اجتماعی اعتکاف میں بھی ان کی ترکیب بنائی جاتی ہے۔جن میں باقاعدہ اشاروں کی زبان میں نعت، بیان، ذکر اور دعا کی ترکیب بھی ہوتی ہے۔اشاروں کی زبان میں نیکی کی دعوت کی دھومیں مچانے کیلئے مبلغین کو اشاروں کی زبان کا کورس کروانے کیلئے ۳۰ دن کے قفل مدینہ کورس کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور گونگے بہرے اور نابینا اسلامی بھائیوں کے مدنی قافلے بھی سفر کرتے ہیں۔ تادم تحریر دعوت اسلامی کے زیر اہتمام ستمبر ۲۰۱۵ء تک اشاروں کی زبان کے ۳۰ مدنی کورس ہو چکے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔آل عمران: ۱۹۳

۲۔ندوی، سید ابوالحسن علی، مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت،ص: ۴۹

۳۔ندوی، سید ابوالحسن علی، مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت،ص: ۸۵

۴۔محمد عیسیٰ،تبلیغی تحریک کی ابتداءاوراس کے اصول،ص: ۲۲

۵۔محمد علیم،تبلیغی جماعت کی جدوجہد، لاہور: مکتبہ علمیہ، ۱۹۹۵،ص: ۴۱۵

۶۔محمد تبسم، کارگزاری مع انچاس کروڑ ثواب، کراچی: مکتبہ رحمانیہ،ص: ۷۔۱۶

۷۔ندوی، سید ابوالحسن علی، مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت،ص: ۳۳

۸۔۵۰۔تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد،ص: ۲۰۔۲۱

۹۔ایضا،ص: ۲۰-۲۱

۱۰۔مجلس المدینۃ العلمیہ ،تعارف امیر اہلسنت، کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۱۴،ص: ۱۰

۱۱۔مجلس المدینہ،انفرادی کوشش، کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۵،ص: ۱۰

۱۲۔چشتی، حبیب اللہ، امت مسلمہ کاعروج وزوال، لاہور: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۵،ص: ۱۰۴

۱۳۔آل عمران: ۳۱

۱۴۔عطار، محمد الیاس، فیضان سنت قدیم، کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۰،ص: ۲۶

۱۵۔مجلس المدینہ،انفرادی کوشش، کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۵،ص: ۹

۱۶۔ا۔وقت کیسے قیمتی بنائیں،ص: ۱۵

۱۷۔مجلس المدینۃ العلمیہ ، رہنمائے جدول، کراچی: مکتبہ المدینہ، (س ن)،ص: ۱۴

۱۸۔مرکزی مجلس شوریٰ، دعوت اسلامی کا تعارف، کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۷ء،ص: ۲۱

۱۹۔عطار، محمد الیاس، غیبت کی تباہ کاریاں، کراچی: مکتبہ المدینہ، ۲۰۰۹ء،ص: ۴۹۸

مدح النبی الکریم ﷺ عند أحمد شوقی

غلام عباس ندیم
(باحث الدکتوراة، الفترة: ۲۰۱۴ـ۲۰۱۷ء)

ABSTRACT:

The article discusses the praise of the last Messenger of Allah (PBUH). It starts with the brief history of praise of the Holy Prophet (PBUH). It has been stated that Ahmad Shaoqi had been taken to be one of the most renowned scholar of the Egypt. He has been said to be "Ameer -ush-Shoara" for his well known "Eulogy". The most renowned topics of his eulogy are: The birth of the Holy Prophet(PBUH), His childhood, Miracles, Excelence over the other prophets and Charactics. The other topics are Al-Tawassul and Compassionation.

ان المدح نقیض الهجاء (۱) وهو حسن الثناء علی ذی شأن بما یستحسن من الأخلاق النفسیة کرجاحة العقل والعفة والعدل والشجاعة وغیر ذلک (۲) والمدح هو فن مهم من فنون الشعر الجاهلی، وکان الشعراء الجاهلیون یمدحون بالمکارم الشریفة ویفخرون بها، والمدح فی الجاهلیة کان له غرضین، أوّلا: مدیحا للشکر والإعجاب۔ ثانیاً: مدیحا للتکسب۔ (۳)

المدائح النبویة تعدّ من أهم فنون الشعر وهی لون من التعبیر عن العواطف الدینیة وباب من الأدب الرفیع لأنها لا تصدر إلا عن قلوب مفعمة بالصدق والأخلاص، والمراد من المدائح النبویة التقرب إلی الله لنشر محاسن الدین والثناء علی شمائل الرسول الکریم صلی الله علیه وسلم۔ (۴)

بدأمدح النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ببدء الخلق وجعل یتسع باتساع الخلق أخبر کل نبی أمته عن خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم وقد اھتم أصحاب السیر لھذہ المبشرات فی کتبھم، والکتب السماویة ملیئة بذکر سید الخلق علیه السلام، لا یمکن أحصاء ھذہ الروایات فی ھذا الموضوع فنکتفی بالآیات التی توجد بالصراحة فی القرآن الکریم۔

جاء فی القرآن المجید:

یَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ (۵)

وذکرھم اللہ تعالی أھل الکتاب بانتظارھم للنبی الکریم ﷺ الذی ینجیھم من المصائب، وھم کانوا یتوسّلون به للانتصار علی أعدائھم الکفار قبل ولادته:

وَكَانُواْ مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا (۶)

وأعلن سیدنا عیسی علیه السلام مصرحا:

وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (۷)

بدأت تظھر آثار طلوع شمس النبوة کأسفار الصبح قبل طلوع شمس السماء۔ الناس یتکلمون فیما بینھم عن النبی الآتی حتی بشر الجن میلادہ علیه السلام وشاھد ورقة بن نوفل کیفیة نزول الوحی ومدح جدہ عبدالمطلب عند ولادته، وھکذا مدح أمیة بن أبی الصلت وأبوطالب والأعشی فی العصر الجاھلی۔ وفی عصر صدر الإسلام مدح الصحابة الکثیرون النبی الکریم ﷺ مثل حسان بن ثابت ولبید بن ربیعة العامری وکعب بن زھیر وعبداللہ بن رواحة وکعب بن مالک والنابغة الجعدی رضوان اللہ علیھم أجمعین۔ وقد مدح العلماء والشعراء الکثیرون

النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم فی العصر الأموی والعباسی والعصر الحدیث وھکذا ما زال موضوع مدح النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم موضوعا جذابا ومحبوبا عند المسلمین المخلصین عبر العصور وافنوا حیاتھم فی ھذا المجال وھم یعتقدون أن ھذا العمل المبارک مفید لھم فی ھذہ الدنیا والآخرۃ ولم یدع أحد منھم أنہ نجح وأدّی حق المدح بل اعترف کل منھم بالعجز والقصور۔

ومن أبرز الشعراء المادحین فی العصر الحدیث الذین طرقوا باب المدیح النبوی صلی اللہ علیہ وسلم فی مصر ونالوا مقاما رفیعا فی الشعر العربی ، العلامۃ شرف الدین البوصیری ومحمود سامی البارودی، والحافظ إبراھیم وأحمد شوقی وغیر ذلک۔

کان أحمد شوقی یتعلق بأرض مصر ولھا مکانۃ عالیۃ فی العالم العربی وقد تولّد فیھا العلماء والشعراء المبرزون الذین لعبوا دوراً ھاماً فی مجال الأدب والشعر ومن ھؤلاء الشعراء أحمد شوقی الذی یلقب بأمیر الشعراء ویحتل أحمد شوقی مکانا رفیعا عادلا عن خلت من تاریخ العرب بعد المتنبی لم یظھر فیھا شاعر موھوب عند بعضھم یصل ما انقطع من وحی الشعر ویجدد ما اندرس من نھج الأدب۔(۸)

ولد أحمد شوقی سنۃ ۱۸۶۹م فی القاھرۃ ونشأبھا۔(۹) بعد تکمیل تعلیمہ الثانوی فی سنۃ ۱۸۸۵م التحق بمدرسۃ الحقوق لیدرس فیھا القانون والشیئ بھا قسم للترجمۃ فالتحق بہ۔ وفی ھذہ المدرسۃ تعرف إلی أستاذہ فی العربیۃ الشیخ محمد البیسونی وکان قد أخذ ینفجر ینبوع الشعر علی لسانہ فأعجب بہ أستاذہ وکان ھو الآخر یجید نظم الشعر۔ عین الخدیو توفیق بالقصر ثم أرسلہ إلی فرنسا لیدرس الحقوق۔ بعد عامین انتقل إلی باریس وظل بھا عامین آخرین حتی عاد إلی مصر سنۃ ۱۸۹۷م وتوفی ۱۴ من إکتوبر سنۃ ۱۹۳۲م(۱۰)

اتفق العلماء البارزون فی عصرنا أن أحمد شوقی هو شاعر عظیم ویعدّ من أشهر الشعراء فی العصر الجدید وعالج أكثر فنون الشعر مثل المدح والغزل والرثاء والوصف والهجاء والفخر والحماسة والحكمة وغیر ذلک ولكن معظم شعره فی المدیح یشتمل علی مدح النبی الكریم صلی الله علیه وسلم واشتهر أحمد شوقی خاصة فی هذا المجال واشتهرت قصیدته الهمزیة النبویة فی جمیع أطراف العالم۔

كان أحمد شوقی من أشهر شعراء مصر الذین نظموا بالعربیة أكثر انتاجا، وكان أدیبا كبیرا وشاعرا عظیما، لم یكن له نظیر فی زمانه فی النحو واللغة والشعر والبدیع والتاریخ والسیر والأنساب وغیر ذلک۔ كان رجلا دینیاً وقلبه مملوء بحب النبی صلی الله علیه وسلم عمیقاً جیدا، فقد قال عدة من الأبیات فی مدح النبیﷺ ونبذ حسما من قصائده من مدحه، وهی مزینة بثروة الحكمة والذكاء وعندما نطالع هذه القصائد المدحیة للنبی الكریم صلی الله علیه وسلم، نحس حبه العمیق وصلته الوثیقة بشخصیة محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

القصائد التی مدح بها رسول الله:

۱- نهج البردة:

تشمل هذه القصیدة علی مائة وتسعین ومطلعها:

ویم علی ایقاع بین البان والعلم أحل سفک دمی فی الأشهر الحرام (۱۱)

۲- ذكری المولد:

تشتمل هذه القصیدة علی تسعة وتسعین بیتا وقد قالها سنة ۱۳۲۸ھ ومطلعها:

به سحر یتیمه كلا جفینک یعلمه (۱۲)

۳- ذکری المولد:

نظم أحمد شوقی قصیدة أخری بهذا الاسم فی سنة ۱۳۳۱ ھ و مطلعها:

سلوا قلبی غداة سلا وتابا لعل علی الجمال له عتابا (۱۳)

۴- الهمزیة النبویة:

نظم سنة ۱۳۳۴ ھ وقد ذکر بها سیرة النبی صلی الله علیه وسلم بطریق أحسن وقد نقلها علی نهج البوصیری وتشمل هذه القصیدة علی مائة وإحدی وثلاثین بیتاً و التی مطلعها:

ولد الهدی فالکائنات ضیاء وفم الزمان تبسم وثناء (۱۴)

۵- أرجوزة طویلة:

أنشد أحمد شوقی أرجوزة طویلة باسم "دول العرب وعظماء الإسلام" خلال نفیه إلی الأندلس، وتشتمل هذه القصیدة علی ستة وعشرین و سبع مائة و ألف بیت و مطلعها:

الحمد لله القدیم الباقی ذی العرش والسبع العلا الطباق (۱۵)

الموضوعات التی تناولها فی مدح النبی ﷺ:

أغراض مدح النبی صلی الله علیه وسلم فی قصائده عدیدة نذکرها بالاختصار و أهمها هی:

۱- مولد النبی صلی الله علیه وسلم

۲- طفولته صلی الله علیه وسلم

۳- معجزاته صلی الله علیه وسلم

۴- فضیلته علی جمیع الأنبیاء و المرسلین

۵- الشفاعة والرحمة

۶- شمائله صلی الله علیه وسلم

۷- التوسل والاستعطاف

مولد النبی صلی الله علیه وآله وسلم:

تروی کتب السیرة فی مولد الرسول الکریم صلی الله علیه وسلم إرهاصات کثیرة نحو إرتجی إیوان کسری وسقط منه أربع عشر شرفة وخمدت نار فارس، ولم تخمد قبل ذلک من ألف عام وغاضت بحیرة ساوة وظهرت الأنوار بین السماء والأرض وغیر ذلک ولقد أنعم الله علینا إذ بعث فینا محمد صلی الله علیه وسلم وهو دعوة أبیه إبراهیم وبشارة عیسی علیه السلام وصفوة سلالة القریش ونخبة بنی هاشم وأشرف العرب وأفضلهم۔ قال أحمد شوق الأبیات الکثیرة عن مولد النبی صلی الله علیه وسلم ومنها:

ولد الهدی فالکائنات ضیاء — وفم الزمان تبسم وثناء

الروح والملأ والملائک حوله — للدین والدنیا به بشراء

والعرش یزهو الحظیرة تزدهی — والمنتهی والسدرة العصماء

وحدیقة الفرقان ضاحکة الربّی — بالترجمان شذیة غنّاء

والوحی یقطر سلسلا من سلسل — واللوح والقلم البدیع رواء

یا خیر من جاء الوجود تحیة — من مرسلین إلی الهدی بک جاءوا

بک بشر الله السماء فزینت — وتضوّعت مسکا بک الغبراء

أثنی المسیح علیه خلف سمائه — وتهللت واهتزت العذرآء (۱۶)

طفولته ﷺ:

ذكر أحمد شوقى أن الرسول الكريم صلى الله عليه وسلم اشتهر بالصدق والأمانة فى صباه وكان قومه قد عرفوا أمانته وعلّموا صدقه قبل إعلان نبوته۔ يقول أحمد شوقى عن طفولة النبى صلى الله عليه وسلم:

نعم اليتيم بدت مخايل فضله — واليتم رزق بعضه وذكاء

فى المهد يستسقى الحيا برجاءه — وبقصده تستدفع الباساء

بسوى الأمانة فى الصبا والصدق — يعرفه أهل الصدق والأمناء

وحديقة الفرقان ضاحكة الربّى — بالترجمان شذية غنّاء (۱۷)

معجزاته ﷺ:

قد ورد موضوع (معجزاته ﷺ) فى شعر أحمد شوقى بكثرة وقد اخترنا بعض الأبيات على هذا الموضوع المذكور من القصائد المختلفة كى يتضح لنا ملكته الشعرية وتفوّقه على الشعراء المعاصرين والمحدثين له فى نظم هذا الموضوع۔ يقول أحمد شوقى عن معجزاته صلى الله عليه وسلم:

كأنّ وجهك تحت النقع بدر دجًى — يضيئ ملتثما أو غير ملتثم

بدر تطلع فى بدر فغرته — كفرة النصر تجلو داجى الظلم (۱۸)

وقوله أيضا فى معجزاته ﷺ:

الحق عالى الركن فيه مظفّر — فى الملک لا يعلو عليه لواء

ذعرت عروش الظالمين فزلزلت — علت على تيجانهم أصداء

والنار خاوية الجوانب حولهم — خمدت ذوائبها وغاض الماء

والآى تترى والخوارق جمّة — جبريل روّاح بها غدّاء

الذکر آیة ربک الکبری الّتی فیها لباغی المعجزات غناء

صدر البیان له إذا التقت اللغی وتقدم البلغاء والفصحاء

نسخت به التوراة وهی وضیئة وتخلّف الإنجیل وهو ذکاء (۱۹)

فضیلته ﷺ علی جمیع الأنبیاء والمرسلین:

أنشد أحمد شوقی فی فضیلة نبینا صلی الله علیه وسلم أکثر قصائد وذکر خصائصه وفضائله کما هو یقول:

الله قسّم بین الناس رزقهم أنت خیّرت فی الأرزاق والقسم

إن قلت فی الأمر أو قلت فیه نعم فخیرة الله لا منک أو نعم (۲۰)

ویتصل بهذا التفضیل عراقة النبی وشرف أرومته فهو من الذروة من قریش ویقول:

قد أخطأ النجم ما نالت أبوته من سؤدد بازخ فی مظهر سنم

نمو إلیه فزادوا فی الوری شرفا ورب أصل لفرع فی الفخار نمی

حواه فی سبحات الطهر قبلهم نوران قاما مقام الصلب والرّحم (۲۱)

وهذا من فضائل النبی صلی الله علیه وسلم وصفاته الخلقیة، أن الله خلقه من قبل تخلیق آدم وبعثه من آخر المرسلین وأکمل دینه الإسلام علی بعثته فهو سید المرسلین وأسوته أسوة حسنة لکل الإنسانیة إلی یوم القیامة بدون تخصیص مسلم أو غیر مسلم۔

ویقول أیضا عن فضیلة النبی صلی الله علیه وسلم:

فالطف لأجل رسول العالمین بنا ولا تزد قومه خسفا ولا تسم

یا رب أحسنت بدء المسلمین به فتمم الفضل وامنح حسن مختتم (۲۲)

الشفاعةو الرحمة:

کان سیدنا محمد صلی اللہ علیه و سلم خیر الأنبیاء قاطبة لأنهم من خیرتهم نسلا منذ آدم و حواء فلما کان صفوتهم و کان خاتمهم صار خیرهم و قال إنه صاحب الشفاعة العظمی یوم القیامة۔ یقول أمیر الشعراء:

محمد صفوة الباری ورحمته — وصاحب الحوض یوم الرسل سائلة

وبغیة اللہ من خلق ومن نسم — متی الورود و جبریل الأمین ظمی

فاق البدر وفاق الأنبیاء — بالخلق والخلق من حسن ومن عظم (۲۳)

یذکر أحمد شوقی فضائل النبی صلی اللہ علیه و سلم و عظمته فی مدائحه کمثل شفاعة الکبریٰ، حوض کوثر و غیر ذلک۔ و یقول أیضاً:

یامن له عز الشفاعة وحده — وهو المنزه ماله شفاء

عرش القیامة أنت تحت لوائه — والحوض أنت حیاله السّقاء (۲۴)

شمائله صلی اللہ علیه وآله وسلم:

تناول أحمد شوقی فی شعره طائفة من شمائل النبی صلی اللہ علیه و سلم، نذکرها بالاختصار۔ یذکر أحمد شوقی عن شمائل النبی صلی اللہ علیه و سلم:

البدر دونک فی حسن و فی شرف — والبحر دونک فی خیر و فی کرم

شمّ الجبال إذا طاولتها انخفضت — والأنجم الذهر ما واسمتها تسم (۲۵)

و قوله أیضاً:

وإذا بنیت فخیر زوج عشرة — وإذا ابتنیت فدونک الآباء

وإذا صحبت رأی الوفاء مجسما — فی بردک الأصحاب والخلطاء

وإذا أخذت العهد أو أعطیته — فجمیع عهدک ذمة و وفاء

وإذا مشيت إلى العدا فخضنفر وإذا جريت فإنک النکباء

وتمدّ حلمک للسفيه مدار يا حتى يضيق بعرضک السفهاء (۲۶)

بسوى الأمانة فى الصبا والصدق لم يعرفه أهل الصدق والأمناء (۲۷)

ثم يقول عن جملة الشمائل والصفات:

يا من له أخلاق ما تهوى العلا منها وما يتعشق الکبراء

لو لم تقم دينا لقامت وحدها دينا تضيئ بنوره الأناء

زانتک فى الخلق العظيم شمائل يغرى بهنّ ويولع الکرماء (۲۸)

جاء ت فوحّدت الزکاة سبيله حتى التقى الکرماء والبخلاء

انصفت أهل الفقرة من أهل الغى فالکل فى حق الحياة سواء (۲۹)

التوسل والاستعطاف:

يبدأ احمد شوقى بتوسله ويتوجه به إلى الرسول الکريم صلى الله عليه وسلم ويذکر بعض خصائصه يقول:

ما جئت بابک ما دحابل داعيا ومن المديح تضرّع ودعاء

أدعوک عن قومى الضفاف لأزمّة فى مثلها يلقى عليک رجاء

أدرى رسول الله أن نفوسهم رکبت هواها والقلوب هواء

متفککون فما تضم نفوسهم ثقة ولا جمع القلوب صفاء

رقدوا وغرّهم نعيم باطل ونعيم قوم فى القيود بلاء

ظلموا شريعتک التى نلتابها ما لم ينل فى (رومة) الفقهاء

مشت الحضارة فى سناها واهتدى فى الدين والدنيا بها السعداء (۳۰)

وقوله أيضا:

يا من عز الشفاعة وحده   و هو المنزة ماله شفعاء
عرش القيامة أنت تحت لوائه   والحوض أنت حياله السّقاء
تروى وتسقى الصالحين ثوابهم   والصالحات ذخائر وجزاء
المثل هذا ذقت فى الدنيا الطوى   وانشق من خلق عليك رداء (۳۱)

فى هذه الأبيات يتوسّل الشاعر بالنبى الكريم صلى الله عليه وسلم ثم يشكو إلى النبى صلى الله عليه وسلم ما أصابعهم من تفرق الكلمة وإجداب النفوس فيأسى لحال قومهم۔

وخلاصة القول أنه كان من كبار الأدباء والشعراء مصر، ولم يظهر فيها بعد المتنبى شاعر موهوب يصل ما انقطع من وحى الشعر وانه رجل أديب وفاضل وعالم كبير وشاعر بليغ كما أن مؤلفاته التاريخية ذات قيمة وتاريخية۔

الهوامش

١- الأزهری، محمد بن أحمد، أبو منصور، تهذيب اللغة، مصر: الدار المصرية للتأليف والترجمة، مكتبة الأندلس، ۱۹٦۴م، ۴/۳۲۴

٢-أحمد الهاشمی، جواهر الأدب فی أدبيات وإنشاء لغة العرب، بيروت، لبنان: دار الكتب العلمية ١٣٩٨ھ، ص: ۳۴۳

٣- عمر فروخ، الدكتور، تاريخ الأدب العربی، بيروت: دار العلم للملايين، ۱۹۷۴م، ص ۸۳

۴-زكی مبارك، الدكتور، المدائح النبوية، مصر: منشورات شركة مكتبة مصطفى البابی الحلبی، ۱۹۳۵م، ص ۱۴

٥-الاعراف:۱۵۷

٦- البقرة:۸۹

۷- الصف:٦

٨-الزيات، أحمد حسن، تاريخ الأدب العربی، بيروت: دار المعرفة، ۱۹۹۳م، ص ۴۷۴

٩-المصدر السابق نفسه

١٠-شوقی ضيف، الدكتور، تاريخ الأدب العربی، القاهرة: دار المعارف، بدون السنة، ص ۱۱۰-۱۱۱

١١-أحمد الشوقی بک، الشوقيات، القاهرة، مصر: دار الاستقامة، ۱۹۵۰م، ۱/۱۹۵

١٢-المصدر السابق، ۱/۳۸

١٣-المصدر السابق، ۱/٦۸

١۴-المصدر السابق، ۱/۳۴

١٥-أحمد الشوقی بک، دول العرب وعظماء الإسلام، القاهرة، مصر: دار العلم للملايين، ۱۹۳۰م، ص ۸

١٦۔ أحمد العوفی ، الدکتور، الإسلام فی شعر شوقی، مصر: المجلس المعلی وللشؤون الإسلامیة، بدون السنة،ص ١٠١

١٧۔المصدر السابق،ص١٠٥

١٨۔أحمد الشوقی بک، الشوقیات، القاهرة، ١/٣٨

١٩۔المصدر السابق، ١/٣٥

٢٠۔المصدر السابق، ١/٢٣٦

٢١۔المصدر السابق، ١/٢١٨

٢٢۔المصدر السابق، ١/٢٢٠

٢٣۔المصدر السابق، ١/٢٣٦

٢٤۔المصدر السابق، ١/٤١

٢٥۔المصدر السابق، ١/٣٦

٢٦۔ ناصف ، علی النجدی ، الدین والأخلاق فی شعر شوقی ، القاهرة ، مصر: مکتبة المصطفی البابی الحلبی، ١٩٤٨م،ص١٢٧

٢٧۔أحمد الشوقی بک، الشوقیات، القاهرة، ١/٣٥

٢٨۔المصدر السابق، ١/٣٦

٢٩۔المصدر السابق، ال٣٥

٣٠۔ المصدر السابق، ١/٤١

٣١۔ المصدر السابق نفسه

THE STATUS OF THE HOLY QUR'AN

(In the Aspect of Established Scientific Discoveries)

Hafiz Ata-ul-Mustafa

(Ph. D. Scholar, Session 2015-2018)

ABSTRACT:

Ever since the dawn of human life on this planet, Man as always sought to understand Nature, his own place in the scheme of Creation and the purpose of Life itself. In this quest for Truth, spanning many centuries and diverse civilizations, organized religion has shaped human life and determined to a large extent, the course of history. While some religions have been based on books, claimed by their adherents to be divinely inspired, others have relied solely on human experience. Al-Qur'aan, the main source of the Islamic faith, is a book believed by Muslims, to be of completely Divine origin. Muslims also believe that it contains guidance for all mankind. Since the message of the Qur'aan is believed to be for all times, it should be relevant to every age. Does the Qur'aan pass this test? In this discussion, it is focused to give an objective analysis of the Muslim belief regarding the Divine origin of the Qur'aan, in the light of established scientific discoveries.

Literature and poetry have been instruments of human expression and creativity, in all cultures. The world also witnessed an age when literature and poetry occupied pride of position, similar to that now enjoyed by science and technology.

Muslims as well as non-Muslims agree that Al-Qur'aan is Arabic literature par excellence - that it is the best Arabic literature on the face of the earth. The Qur'aan, challenges mankind in the following verses:

> "And if ye are in doubt as to what We have revealed From time to time to Our Servant, then produce a Soorah Like thereunto; And call your witnesses or helpers (If there are any) besides Allah, If your (doubts) are true. But if ye cannot –And of a surety you cannot. hen fear the Fire Whose fuel is Men and Stones – Which is prepared for those Who reject Faith." [1]

The challenge of the Qur'aan, is to produce a single Soorah (chapter) like the Soorahs it contains. The same challenge is repeated in the Qur'aan several times. The challenge to produce a Soorah, which, in beauty, eloquence, depth and meaning is at least somewhat similar to a Qur'aanic Soorah remains unmet to this day. A modern rational man, however, would never accept a religious scripture, which says, in the best possible poetic language, that the world is flat. This is because we live in an age, where human reason, logic and science are given primacy. Not many would accept the Qur'aan's extraordinarily beautiful language, as proof of its Divine origin. Any scripture claiming to be a divine revelation must also be acceptable on the strength of its own reason and logic.

CREATION OF THE UNIVERSE:

The creation of the universe is explained by astrophysicists in a widely accepted phenomenon, popularly

known as the 'Big Bang'. It is supported by observational and experimental data gathered by astronomers and astrophysicists for decades. According to the 'Big Bang', the whole universe was initially one big mass (Primary Nebula). Then there was a 'Big Bang' (Secondary Separation) which resulted in the formation of Galaxies. These then divided to form stars, planets, the sun, the moon, etc. The origin of the universe was unique and the probability of it occurring by 'chance' is zero. The Qur'aan contains the following verse, regarding the origin of the universe:

> "Do not the Unbelievers see That the heavens and the earth Were joined together (as one Unit of Creation), before We clove them asunder?" [2]

The striking congruence between the Qur'aanic verse and the 'Big Bang' is inescapable! How could a book, which first appeared in the deserts of Arabia 1400 years ago, contain this profound scientific truth?

Scientists say that before the galaxies in the universe were formed, celestial matter was initially in the form of gaseous matter. In short, huge gaseous matter or clouds were present before the formation of the galaxies. To describe initial celestial matter, the word 'smoke' is more appropriate than gas. The following Qur'aanic verse refers to this state of the universe by the word dhukhan which means smoke.

> "Moreover, He Comprehended In His design the sky, And it had been(as) smoke: He said to it And to the earth: 'Come ye together, Willingly or unwillingly.'

They said: 'We do come (Together), in willing obedience." [3]

Again, this fact is a corollary to the 'Big Bang' and was not known to the Arabs during the time of Prophet Muhammad (pbuh). What then, could have been the source of this knowledge?

THE SPHERICAL SHAPE OF THE EARTH:

In early times, people believed that the earth is flat. For centuries, men were afraid to venture out too far, lest they should fall off the edge. Sir Francis Drake was the first person who proved that the earth is spherical when he sailed around it in 1597. Consider the following Qur'aanic verse regarding the alternation of day and night:

"Seest thou not that Allah merges Night into Day And He merges Day into Night?" [4]

Merging here means that the night slowly and gradually changes to day and vice versa. This phenomenon can only take place if the earth is spherical. If the earth was flat, there would have been a sudden change from night to day and from day to night.

The following verse also alludes to the spherical shape of the earth**:**

"He created the heavens And the earth In true (proportions): He makes the Night Overlap the Day, and the Day Overlap the Night." [5]

The Arabic word used here is Kawwara meaning 'to overlap' or 'to coil'– the way a turban is wound around the head. The overlapping or coiling of the day and night can only take place if the earth is spherical.

The earth is not exactly round like a ball, but geo-spherical i.e. it is flattened at the poles. The following verse contains a description of the earth's shape:

> "And the earth, moreover, Hath He made egg shaped." [6]

The Arabic word for egg here is dahaha, which means an ostrich-egg. The shape of an ostrich-egg resembles the geo-spherical shape of the earth. Thus the Qur'aan correctly describes the shape of the earth, though the prevalent notion when the Qur'aan was revealed was that the earth is flat.

THE LIGHT OF THE MOON IS REFLECTED LIGHT:

It was believed by earlier civilizations that the moon emanates its own light. Science now tells us that the light of the moon is reflected light. However this fact was mentioned in the Qur'aan 1,400 years ago in the following verse:

> "Blessed is He Who made Constellations in the skies, And placed therein a Lamp And a Moon giving light." [7]

The Arabic word for the sun in the Qur'aan, is shams. It is referred to as siraaj, which means a 'torch' or as wahhaaj which means 'a blazing lamp' or as diya which means 'shining glory'. All three descriptions are appropriate to the sun, since it

generates intense heat and light by its internal combustion. The Arabic word for the moon is qamar and it is described in the Qur'aan as muneer, which is a body that gives nur i.e. light. Again, the Qur'aanic description matches perfectly with the true nature of the moon, which does not give off light itself and is an inert body that reflects the light of the sun. Not once in the Qur'aan, is the moon mentioned as siraaj, wahhaaj or diya or the sun as nur or muneer. This implies that the Qur'aan recognizes the difference between the nature of sunlight and moonlight.

Consider the following verses related to the nature of light from the sun and the moon:

> "It is He who made the sun To be a shining glory And the moon to be a light (Of beauty)." [8]
>
> "See ye not How Allah has created The seven heavens One above another, "And made the moon A light in their midst, and made the sun As a (Glorious) Lamp?" [9]

THE SUN WILL EXTINGUISH:

The light of the sun is due to a chemical process on its surface that has been taking place continuously for the past five billion years. It will come to an end at some point of time in the future when the sun will be totally extinguished leading to extinction of all life on earth. Regarding the impermanence of the sun's existence the Qur'aan says:

"And the Sun Runs its course For a period determined For it; that is The decree of (Him) The exalted in Might, The All-Knowing." [10]

The Arabic word used here is mustaqarr, which means a place or time that is determined. Thus the Qur'aan says that the sun runs towards a determined place, and will do so only up to a pre-determined period of time –meaning that it will end or extinguish.

MOUNTAINS FIRMLY FIXED:

The surface of the earth is broken into many rigid plates that are about 100 km in thickness. These plates float on a partially molten region called asthenosphere. Mountain formations occur at the boundary of the plates. The earth's crust is 5 km thick below oceans, about 35 km thick below flat continental surfaces and almost 80 km thick below great mountain ranges. These are the strong foundations on which mountains stand. The Qur'aan also speaks about the strong mountain foundations in the following verse:

"And the mountains Hath He firmly fixed." [11]

BARRIER BETWEEN SWEET AND SALT WATERS:

Consider the following Qur'aanic verses:

"He has let free the two bodies Of flowing water, Meeting together: Between them is a Barrier Which they do not transgress." [12]

In the Arabic text the word barzakh means a barrier or a partition. This barrier is not a physical partition. The Arabic word maraja literally means 'they both meet and mix with each other'. Early commentators of the Qur'aan were unable to explain the two opposite meanings for the two bodies of water, i.e. they meet and mix, and at the same time, there is a barrier between them. Modern Science has discovered that in the places where two different seas meet, there is a barrier between them. This barrier divides the two seas so that each sea has its own temperature, salinity and density.

> "It is He Who has Let free the two bodies Of flowing water: One palatable and sweet, And the other salty and bitter; Yet has He Made a barrier between them, And a partition that is forbidden To be passed." [13]

EVERY LIVING THING IS MADE OF WATER:

Consider the following Qur'aanic verse:

> "Do not the Unbelievers see that the heavens and the earth were joined together (as one Unit of Creation), before We clove them asunder? We made from water every living thing. Will they not then believe?" [14]

Only after advances have been made in science, do we now know that cytoplasm, the basic substance of the cell is made up of 80% water. Modern research has also revealed that most organisms consist of 50% to 90% water and that every living entity requires water for its existence. Was it possible 14 centuries ago for any human-being to guess that every living

being was made of water? Moreover would such a guess be conceivable by a human being in the deserts of Arabia where there has always been scarcity of water? The following verse refers to the creation of animals from water:

"And Allah has created Every animal from water." [15]

The following verse refers to the creation of human beings from water:

"It is He Who has Created man from water: Then has He established Relationships of lineage And marriage: for thy Lord Has power (over all things)." [16]

THE FLIGHT OF BIRDS

Regarding the flight of birds the Qur'aan says:

"Do they not look at The birds, held poised In the midst of (the air And) the sky? Nothing Holds them up but (the power Of) Allah. Verily in this Are Signs for those who believe." [17]

A similar message is repeated in the Qur'aan in the verse:

"Do they not observe The birds above them, Spreading their wings And folding them in? None can uphold them Except (Allah) Most Gracious: Truly it is He That watches over all things." [18]

The Arabic word amsaka literally means, 'to put one's hand on, seize, hold, hold someone back,' which expresses the idea that Allah holds the bird up in His power. These verses stress the extremely close dependence of the birds' behaviour on

Divine order. Modern scientific data has shown the degree of perfection attained by certain species of birds with regard to the programming of their movements. It is only the existence of a migratory programme in the genetic code of the birds that can explain the long and complicated journey that very young birds, without any prior experience and without any guide, are able to accomplish. They are also able to return to the departure point on a definite date.

SPIDER'S WEB / HOME IS FRAGILE:

The Qur'aan mentions in Soorah Al-'Ankabût,

> "The parable of those who Take protectors other than Allah Is that of the Spider, Who builds (to itself) A house; but truly The flimsiest of houses Is the Spider's house – If they but knew." [19]

Besides giving the physical description of the spider's web as being very flimsy, delicate and weak, the Qur'aan also stresses on the flimsiness of the relationship in the spider's house, where the female spider many a times kills its mate, the male spider.

LIFESTYLE OF ANTS:

Consider the following Qur'aanic verse:

> "And before Solomon were marshaled His hosts – of Jinns and men And birds, and they were all Kept in order and ranks. "At length, when they came To a (lowly) valley of ants, One of the ants said: 'O ye ants,

get into Your habitations, lest Solomon And his hosts crush you (Under foot) without knowing it." [20]

In the past, some people would have probably mocked at the Qur'aan, taking it to be a fairy tale book in which ants talk to each other and communicate sophisticated messages. In recent times, research has shown us several facts about the lifestyle of ants, which were not known earlier to humankind. Research has shown that the animals or insects whose lifestyle is closest in resemblance to the lifestyle of human beings are the ants. This can be seen from the following findings regarding ants:

(a) The ants bury their dead in a manner similar to the humans.
(b) They have a sophisticated system of division of labor, whereby they have managers, supervisors, foremen, workers, etc.
(c) Once in a while they meet among themselves to have a 'chat'.
(d) They have an advanced method of communication among themselves.

THE BEE:

"And thy Lord taught the Bee To build its cells in hills, On trees, and in (men's) habitations; Then to eat of all The produce (of the earth), And find with skill the spacious Paths of its Lord." [21]

Von-Frisch received the Nobel Prize in 1973 for his research on the behavior and communication of the bees. The bee, after discovering any new garden or flower, goes back and tells its fellow bees the exact direction and map to get there,

which is known as ‘bee dance’. The meanings of this insect’s movements that are intended to transmit information between worker bees have been discovered scientifically using photography and other methods. The Qur’aan mentions in the above verse how the bee finds with skill the spacious paths of its Lord.

The worker bee or the soldier bee is a female bee. In Soorah Al-Nahl chapter no. 16, verses 68 and 69 the gender used for the bee is the female gender (fa’slukî and kulî), indicating that the bee that leaves its home for gathering food is a female bee. In other words the soldier or worker bee is a female bee. In fact, in Shakespeare’s play, “Henry the Fourth”, some of the characters speak about bees and mention that the bees are soldiers and that they have a king. That is what people thought in Shakespearean times. They thought that the worker bees are male bees and they go home and are answerable to a king bee. This, however, is not true. The worker bees are females and they do not report to a king bee but to a queen bee. But it took modern investigations in the last 300 years to discover this.

HONEY HAS HEALING PROPERTIES:

The bee assimilates juices of various kinds of flowers and fruit and forms within its body the honey, which it stores in its cells of wax. Only a couple of centuries ago man came to know that honey comes from the belly of the bee. This fact was mentioned in the Qur’aan 1,400 years ago in the following verse:

> "There issues From within their bodies A drink of varying colours, Wherein is healing for men." [22]

We are now aware that honey has a healing property and also a mild antiseptic property. The Russians used honey to cover their wounds in World War II. The wound would retain moisture and would leave very little scar tissue. Due to the density of honey, no fungus or bacteria would grow in the wound. A person suffering from an allergy of a particular plant may be given honey from that plant so that the person develops resistance to that allergy. Honey is rich in fructose and vitamin K. Thus the knowledge contained in the Qur'aan regarding honey, its origin and properties, was far ahead of the time it was revealed.

SENSE OF HEARING AND SIGHT:

The first sense to develop in a developing human embryo is hearing. The fetus can hear sounds after the 24th week. Subsequently, the sense of sight is developed and by the 28th week, the retina becomes sensitive to light.

Consider the following Qur'aanic verses related to the development of the senses in the embryo:

> "And He gave You (the faculties of) hearing and sight and feeling (And understanding)." [23]
>
> "Verily We created Man from a drop Of mingled sperm, In order to try him: So We gave him (the gifts), Of Hearing and Sight." [24]

"It is He Who has created For you (the faculties of)
Hearing, sight, feeling And understanding: little thanks
It is ye give!" [25]

In all these verses the sense of hearing is mentioned before that of sight. Thus the Qur'aanic description matches with the discoveries in modern embryology.

FINGERPRINTS:

"Does man think that We Cannot assemble his bones?
Nay, We are able to put Together in perfect order The
very tips of his fingers." [26]

Unbelievers argue regarding resurrection taking place after bones of dead people have disintegrated in the earth and how each individual would be identified on the Day of Judgement. Almighty Allah answers that He can not only assemble our bones but can also reconstruct perfectly our very fingertips.

Why does the Qur'aan, while speaking about determination of the identity of the individual, speak specifically about fingertips? In 1880, fingerprinting became the scientific method of identification, after research done by Sir Francis Golt. No two persons in the world can ever have exactly the same fingerprint pattern. That is the reason why police forces worldwide use fingerprints to identify the criminal. 1400 years ago, who could have known the uniqueness of each human's fingerprint? Surely it could have been none other than the Creator Himself!

PAIN RECEPTORS PRESENT IN THE SKIN:

It was thought that the sense of feeling and pain was only dependent on the brain. Recent discoveries prove that there are pain receptors present in the skin without which a person would not be able to feel pain. When a doctor examines a patient suffering from burn injuries, he verifies the degree of burns by a pinprick. If the patient feels pain, the doctor is happy, because it indicates that the burns are superficial and the pain receptors are intact. On the other hand if the patient does not feel any pain, it indicates that it is a deep burn and the pain receptors have been destroyed. The Qur'aan gives an indication of the existence of pain receptors in the following verse:

> "Those who reject Our signs, We shall soon Cast into the Fire; As often as their skins Are roasted through, We shall change them For fresh skins, That they may taste The Penalty: for Allah Is Exalted in Power, Wise." [27]

Prof. Tagatat Tejasen, Chairman of the Department of Anatomy at Chiang Mai University in Thailand, has spent a great amount of time on research of pain receptors. Initially he could not believe that the Qur'aan mentioned this scientific fact 1,400 years ago. He later verified the translation of this particular Qur'aanic verse. Prof. Tejasen was so impressed by the scientific accuracy of the Qur'aanic verse, that at the 8th Saudi Medical Conference held in Riyadh on the Scientific Signs of Qur'aan and Sunnah he proclaimed in public: "There is no God but Allah and Muhammad (pbuh) is His Messenger."

CONCLUSION:

To attribute the presence of scientific facts in the Qur'aan to coincidence would be against common sense and a true scientific approach. The Qur'aan invites all humans to reflect on the Creation of this universe in the verse:

> "Behold! In the creation Of the heavens and the earth, And the alternation Of Night and Day – There are indeed Signs For men of understanding." [28]

The scientific evidences of the Qur'aan clearly prove its Divine Origin. No human could have produced a book, fourteen hundred years ago, that would contain profound scientific facts, to be discovered by humankind centuries later. The Qur'aan, however, is not a book of Science but a book of 'Signs'. These signs invite Man to realize the purpose of his existence on earth, and to live in harmony with Nature. The Qur'aan is truly a message from Allah, the Creator and Sustainer of the universe. It contains the same message of the Oneness of God, that was preached by all prophets, right from Adam, Moses, Jesus to Muhammad (peace be upon them).

References

1. Al-Qur'aan 2:23-24
2. Al-Qur'aan 21:30
3. Al-Qur'aan 41:11
4. Al-Qur'aan 31:29
5. Al-Qur'aan39:5
6. Al-Qur'aan 79:30
7. Al-Qur'aan 25:61
8. Al-Qur'aan 10:5
9. Al-Qur'aan 71:15-16
10. Al-Qur'aan 36:38
11. Al-Qur'aan 79:32
12. Al-Qur'aan 55:19-20
13. Al-Qur'aan 25:53
14. Al-Qur'aan 21:30
15. Al-Qur'aan 24:45
16. Al-Qur'aan 25:54
17. Al-Qur'aan 16:79
18. Al-Qur'aan 67:19
19. Al-Qur'aan 29:41
20. Al- Qur'aan 27:17-18
21. Al-Qur'aan 16:68-69
22. Al-Qur'aan 16:69
23. Al-Qur'aan 32:9
24. Al-Qur'aan 76:2
25. Al-Qur'aan 23:78
26. Al-Qur'aan75:3-4
27. Al- Qur'aan 4:56
28. Al-Qur'aan 3:190

Department of Islamic Studies & Arabic
Govt. College University, Faisalabad.
E-mail: justjoo.gcuf@yahoo.com
hafiz1192@yahoo.com
+ 92 300 7680468, + 92 346 7680468

A Journal of Students
Department of Islamic Studies & Arabic
Quarterly

Justjoo

ISSN:2410-535X
Issue : 5 October- December 2015

**Government College University
Faisalabad Pakistan**

ISSN:2410-535X

A Journal of Students:
Department of Islamic Studies & Arabic

Quarterly

Justjoo

ISSUE : 5

Government College University
Faisalabad